رومیِ و اقبال در حکمتِ قرآن

اقرأ باسم ربک الذی خلق

عمران لیاقت حسین

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD)
کتابخانہ امام خمینی

۱
۳۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رومیؔ و اقبالؔ در حکمتِ قرآن

am Khomeini Library
Karachi.

عمران لیاقت حسین

مکتبہ حامدیہ
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴۱۴ - کراچی ۵ پاکستان

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD)

جملہ حقوق محفوظ۔

طبع اوّل

یکم اگست

تعداد : پانچ ہزار

مطبع : کفایت اکیڈمی۔

قیمت : ۸۰/ روپے

ناشر

مکتبہ حامدیہ

پوسٹ بکس ۱۱۴۱۴ کراچی نمبر ۵ پاکستان۔

MOASSESAH KHOMEINI TRUST (REGD)
کتابخانہ امام خمینی

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کزدام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سست عناصِر دلم گرفت
شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جُستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

مولینا جلال الدین محمد بلخی (رومؒ)
بحوالہ اسرار خودی علامہ محمد اقبالؒ

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD)
کتابخانہ امام خمینی

علمِ طریقت

دائرہ ز ولایت علیؑ خواہم گفت
چوں روح قدس نادِ علیؑ خواہم گفت
تا روح شود غمی کہ ہر جان منست
کل ہم و غم سینجلی خواہم گفت

مولوی معنوی

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD)
کتابخانہ امام خمینی

اِنْتِسَاب

جاوید
کے
نام

"جناب چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال پنجاب ہائی کورٹ"

علامہؒ کے نزدیک ملتِ کا ہر فرد جاوید ہے۔

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD)
کتابخانہ امام خمینی

واعظ اندر مسجد و فرزندِ او در مدرسہ
آں بہ پیری کودکے ایں پیر در عہدِ شباب!

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

علامہ اقبال رح

۸

"قائدؒ کے افکار کو آواز دو"

"ہم کس چیز کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں. ہمارا نصب العین کیا ہے ہم تھیوکریسی کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں نہ ہمارا نصب العین تھیوکریٹک ریاست قائم کرنا ہے" (مسٹر جناح کا خطبہ مسلم لیگی ممبران اسمبلی کے کنونشن میں ۱۹۴۶ء دہلی) ۔ "بہرصورت پاکستان تھیوکریٹک ریاست نہیں ہونے والا ہے جہاں ملّاؤں کی حکومت ہو جن کا خیال ہے کہ ان کو الوہی فریضہ سونپا گیا ہے۔" قائد اعظم محمد علی جناح فروری ۱۹۴۸ء ۔

تھیوکریسی پروہت راج اور فیوڈلزم کا نظریہ ریاست تھی. موجودہ دور میں جب صنعتی انقلاب کے باعث معاشرے کے حالات زیست بدل گئے ہیں. سائنسی علوم نے تھیوکریسی کے تمام ازعان و مفروضات کا بھرم کھول دیا ہے اور فیوڈلزم کا چل چلاؤ ہے. تھیوکریسی کے احیا کی کوشش ارتقائے انسانی کو پیچھے کی طرف لے جاتا ہے. تھیوکریسی جمہوریت اور جمہوری قدروں کی نفی کرتی ہے. تھیوکریسی معاشرے کو آگے لے جانے کی بجائے لوگوں کو ماضی کا سنہرا خواب دکھاتی ہے تھیوکریسی سائنسی علوم اور سائنسی سوچ کی دشمن ہے. وہ اجتہاد کے بجائے تقلید اور تحقیق و جستجو کے بجائے منقولات اور روایت پرستی کی تعلیم دیتی ہے. تھیوکریسی خوف اور لالچ کی عفریتی قوتوں سے عقل و خرد کا گلا گھونٹنے کے درپے رہتی ہے. تھیوکریسی ظلمت پرستوں کا آخری حربہ ہے جو خدا کی حاکمیت کی آڑ میں "تنگ نظر ملّاؤں کا راج قائم کرنا چاہتے ہیں. فیوڈلزم اور فیوڈل قدروں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں اور عوام کو ان کے پیدائشی حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں.

جذباتیت، تنگ نظری اور ناروا داری ذہنوں پر اس قدر حاوی ہے کہ نئی فکر کی تازہ ہوائیں ادھر کا رخ کرتے ڈرتی ہیں حالانکہ ؏

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود

یہ روش اگر جلد نہ بدلی گئی تو اپنی نئی نسلوں کو شاہ دولہ کے چوہوں کے سوا تحفے میں کچھ نہ دے سکیں گے.

سبطِ حسن

فہرست

صفحہ

"قائد کے افکار کو آواز دو" ۔۔۔ ۸

مشتملات

تبصرہ ———— پروفیسر مرزا محمد منوّر ۔۔۔ ۱۳

تبصرہ ———— پروفیسر کرّار حسین ۔۔۔ ۱۶

حرفِ چند ———— رئیس امروہوی ۔۔۔ ۱۷

چہ کند بے نو ہمیں دارد ———— شبیر افضل جعفری ۔۔۔ ۱۹

تبصرہ ———— سمیع اللہ قریشی ۔۔۔ ۲۰

تبصرہ ———— ن ۔ م ۔ دانش ۔۔۔ ۲۲

عنوانات	صفحہ

لامحدود کمال	۲۳
ملّا کریسی	۲۵
انسانِ کامل	۸۱
(۱) انفاق (اشتراکیت)	۱۴۰
(ii) تصوّرِ ملت و ریاست	۱۷۶
فلسفہ عشق	۲۴۶
(i) اسرارِ قلب (نفس مطمئنہ)	۲۵۹
(ii) فلسفۂ عقل	۲۷۶
(iii) لاالٰہ الا اللہ	۲۸۵

صفحہ	عنوانات
۳۰۵	مرکزِ عشق
۳۵۲	حکمتِ امامِ اقبالؒ
۳۶۹	تشکیل جدید میں تعلیم بطور عالمی امن

بسم الله الرحمن الرحیم

حکومت پاکستان
وفاقی وزارت تعلیم

FEDERAL MINISTRY OF
EDUCATION

Iqbal Academy
Pakistan

اقبال اکادمی پاکستان

عزیز القدر عمران لیاقت صاحب!

السلام علیکم ______ میں نے آپ کی کتاب "رومی و اقبال در حکمت" کا مسودہ دیکھا ہے آپ کی عمر کے تناسب سے یہ کام لائق داد ہے۔ میں تو آپ کی عمر میں ایسے کام کر گذرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت علامہ اقبال بیسویں صدی میں قرآن کے بہت بڑے ترجمان ہیں۔ میرے بعض رفقا اور کرم فرما انہیں اس صدی کا سب سے بڑا ترجمان القرآن جانتے ہیں۔ بہر حال قرآن میں ڈوب کر حضرت علامہ نے نہ صرف اس دور کے مسلمانوں کو بلکہ آنے والے مسلمانوں کو بھی انوارِ قرآن سے اکتساب کردہ مضامین کا تحفہ عطا کر دیا ہے تاکہ وہ مفہوم تسخیر فطرت کو سمجھیں، معنیٔ خدمتِ الٰہیہ کا ادراک کر سکیں۔ اور از روئے قرآن وہ مینڈیٹ MANDATE (اختیار نامہ) دنیا میں نافذ کر سکیں جو خدا تعالیٰ کا آخری مینڈیٹ ہے اور تمام جہان کے انسانوں کے لئے ہے۔ اس مینڈیٹ کی رو سے امتِ مسلمہ کو خدائے تعالےٰ نے دنیا بھر کے انسانی معاشرے سے ظلم و زیادتی دور کرنے اور عدل نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ علامہ اقبال نے ۱۹۰۷ء سے لے کر

۱۹۳۸ء تک اس قرآنی فرمان کی تشریح کا فریضہ انجام دیا۔ شعر میں بھی نثر میں بھی ________

انوار قرآن کی بدولت تمام تاریکیاں زائل ہوجاتی ہیں۔ وہ کفر کی تاریکیاں ہوں۔ جہالت کی تاریکیاں ہوں۔ ترکِ دنیا کی پھیلائی ہوئی تاریکیاں ہوں یا متعصب ملائیت کی عطا کردہ تاریکیاں حضرت علامہ نے جبھی تو فرمایا تھا۔

گوہر دریائے قرآں سفتہ ام
شرح رمز صبغۃ اللہ گفتہ ام

حضور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "قرآن وہ رسّی ہے جو آسمان سے زمین پر لٹکائی گئی ہے۔ جس رسی کو تھام لینے سے آدمی کا رشتہ خدا سے قائم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح عقائدی توہمات جھڑ جاتے ہیں، فکری اصنام منہدم ہوجاتے ہیں۔ مولانا روم نے اپنے دور میں راہ سے بھٹک جانے والوں کو قرآن کی طرف بلایا۔ حضرت علامہ نے دور میں اور یہ ظاہر ہے کہ جن بے حساب گمراہ کن نظریات سے حضرت علامہ کے معاصرین کو پالا پڑا تھا۔ ان سے مولانا کے معاصرین دوچار نہیں ہوئے تھے۔ لہذا احساس سا ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کا کام مولانا کے مقابل زیادہ مشکل تھا۔ تاہم حضرت علامہ کو فخر تھا کہ انہوں نے فکری افراتفری کے اپنے دور معاصر میں اپنے روحانی مرشد حضرت مولانا روم کی طرح امتِ مسلمہ کو اصل دین کی جانب پکارا اور للکار کر پکارا

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD)
کتابخانہ امام خمینی

چوں رومی در حرم دادم اذاں من
ازو آموختم اسرارِ جاں من
بہ دَورِ فتنۂ عصر کہن، او
بہ دَورِ فتنۂ عصر رواں من

خدا آپ کو نعمت سے نوازے تاکہ آپ کلام اقبالؒ "حبل المتین"،
روح کی مدد سے امت مسلمہ کو ترقی کی راہ بھی دکھائیں اور وحدت
واخوت کی بھی ۔ آمین

(پروفیسر) مرزا محمد منور
ناظم اقبال اکادمی پاکستان
صدر شعبہ اقبالیات (پنجاب یونیورسٹی)

میں نے عمران لیاقت سلمہٗ کی کتاب " رومی و اقبال در حکمتِ قرآن" پڑھی اور میں اس سے بہت متاثر ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنی عرفان کی روایت میں گہری نظر پیدا کرنا اور اس کا سلسلہ قرآن تک اپنی نظر میں رکھنا نہ صرف اپنی تربیت نفس اور صفائی قلب کے لیے ضروری ہے بلکہ یہ ریاض ہمارے زمانہ کی بھی ضرورت ہے۔ یہ صحیح معنٰی میں اپنی تاریخ کی دریافت اور اپنے نفس کی معرفت ہے جس کے بغیر آدمی کسی معروض حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ نہ حال سے کوئی با معنی رشتہ قائم ہو سکتا ہے نہ مستقبل کے لیے کوئی راہ، کوئی سمت ظاہر ہو سکتی ہے۔

میں عمران لیاقت سلمہٗ کی فہم و نظر میں گہرائی کے لیے دعا کرتا ہوں۔

(دستخط)

پروفیسر کرار حسین
سابق وائس چانسلر
بلوچستان یونیورسٹی

۴/مارچ ۱۹۸۶ء

حرفے چند

ابھی یہ غنچہ پھول نہ بننے پایا تھا کہ میں اس کے شمیم جانفزا سے مسحور ہو گیا۔ آج عمران لیاقت بھرپور مصنف، محقق اور مفکر بن چکے ہیں۔ ان کی عالی شان تصنیف "رومی و اقبال در حکمت قرآن" پیشِ نظر ہے۔ آج سے کئی سال قبل عمران لیاقت نے ایک مختصر سا کتابچہ لکھا تھا۔ اس کتابچے کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ننھا منا قلم ایک روز خامہ گہر بار بننے والا ہے۔ ان کی بچپن کی تصنیف میں وہ آثار موجود تھے جو ان کے درخشاں مستقبل کی ترجمانی کرتے تھے مولانا روم اقبال کے مرشد معنوی ہیں۔ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ

بیا کہ من زخمِ پیرِ روم آوردم
مئے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی است

اس قابل قدر تصنیف کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے کہ رومی و اقبال کے افکار کا سرچشمہ حقیقی حکمت قرآنی ہے، مثنوی مولانا روم کو فارسی زبان کا قرآن کہا گیا ہے

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

پہلوی یعنی فارسی زبان کا یہ قرآن ایک پر تو ہے اس الہامی کتاب کا جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اتارا گیا تھا۔

عمران میاں کی کتاب کی ابتداء مُلاّ کُریسی سے ہوتی ہے۔ اور اقبال نے دین ملاّ کو فسادِ دین قرار دیا ہے[1]۔ مولانائے روم بھی فرماتے ہیں ؎

معرّبہ استدلال کار دیں بُدے

فخر رازی راز دار دیں بُدے

عزیز القدر عمران لیاقت نے اس کتاب میں قرآن مجید کے مطالب کی وضاحت اور رومی و اقبال کے فلسفہ (در حکمت قرآنی) کی توضیح کے لئے تمام ممکنہ وسائل سے کام لیا ہے۔

اس عالمانہ اور عارفانہ کتاب میں عشق۔ عقل۔ انفاق (اشتراکیت) تصوف و عرفان جیسے اہم ترین مسائل کے بارے میں آیات قرآنی کے ساتھ اقبال و رومی کے اشعار کو نقل کیا ہے۔ کتاب کا سب سے زیادہ دلکشا و دلکش حصہ وہ ہے جس میں فضائل اہلبیت اور اسرار اسمائے حضرت علیؑ کو حسنِ عقیدت سے بیان کیا ہے۔ مجھے امید ہے عزیزم عمران لیاقت کے فکر و تخیل کا یہ نقشِ اول ان کی بہت اعلیٰ، بلند پایہ اور عارفانہ تصانیف کا پہلا باب ثابت ہوگا۔

رئیس امروہوی

۴ مارچ ۸۶ء

۴/مارچ ۱۹۸۶ء

رئیس امروہوی

---

[1] دین ملاّ فی سبیل اللہ فساد ۱۲ اقبال۔

چہ کند بے نوہمیں دارد

"رومی و اقبال در حکمت قرآن" ایسا گیان دھیان عنوان ہے جس پر ابھی تک کسی فلسفہ دان و دوان نے کوئی دھان پان بیان نہیں دیا۔

عمران لیاقت نے جوان جہان ہوتے ہوئے علاماؤں کی سی کرامت تراش دی ہے۔ یہ تو معلوم تھا کہ حکیم امت مولانائے روم سے متاثر ہیں۔ لیکن یہ انکشاف ہمیں عمران لیاقت نے عطا کیا ہے کہ شاعر مشرق نے اپنے پیرو مرشد کی بانکی بحروں، الہامی قافیوں اور ربانی ردیفوں میں مومن مومن غزلیں بھی کہی ہیں۔ اس تر و تازہ تلاش پر انہیں شاباش کے سوا لاکھ قاش پیش کرتا ہوں۔

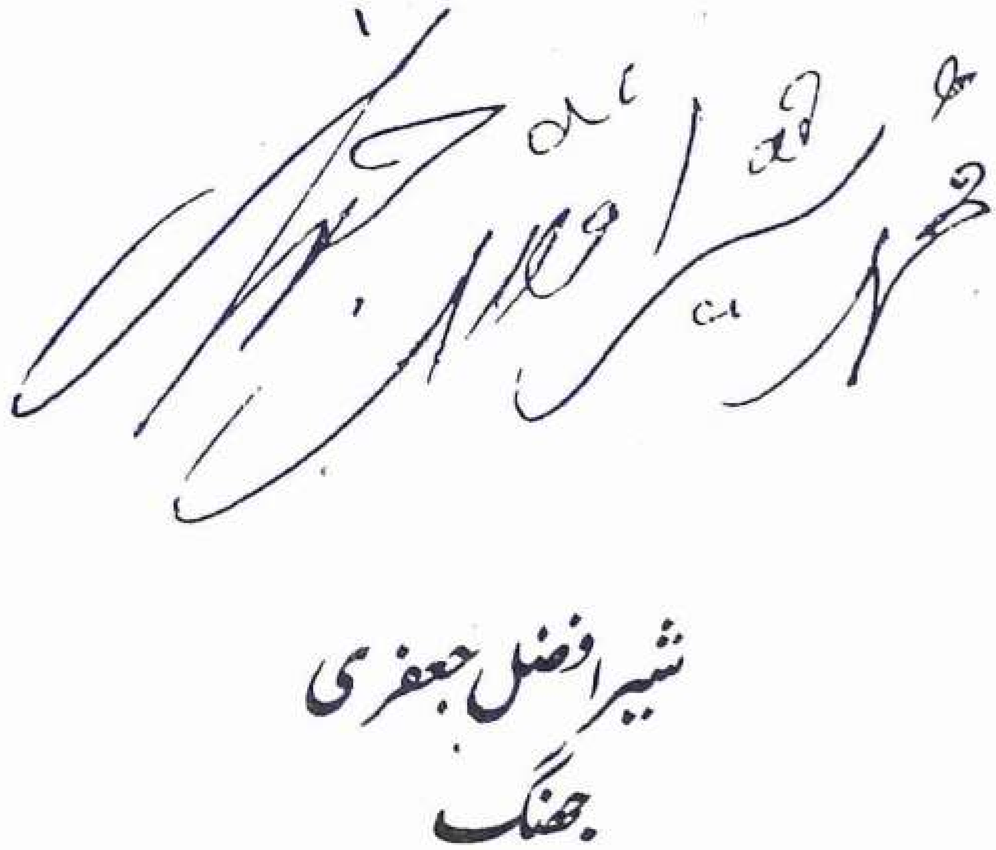

۲۶ رفروری ۱۹۸۶ء

شبیر افضل جعفری
جھنگ

اقبال کو پیرِ رومی سے جو نسبت ہے اس کا والہانہ اظہار اور اعتراف ان کے کلام میں خصوصاً فارسی کلام میں بہت آسانی کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد رفیع الدین اور بہت سے دیگر علمار اور دانش ور بڑی احتیاط اور خوبصورتی کے ساتھ توجہ دلا چکے ہیں۔ تاہم مولائے روم کے لیئے فکرِ اقبال میں جو تپاک اور پاسِ ادب فراواں ہے اس پر مزید بہت کچھ کہنے کے لیئے امکانات نہ آج معدوم ہوئے ہیں اور نہ ہی آنے والے وقتوں میں اس کی کوئی حد ہے۔ ایک طرح سے رومی کے ساتھ اقبال کا رشتہ اور علاقہ استاد اور شاگرد کا سا ہے اور یہ وہ رشتہ ہے جو عالمِ افکار اور اس کی تشریحات میں دائمی ہے۔ نوجوان دانشور عمرآن لیاقت نے اپنی فکر انگیز تالیف میں دراصل اسی رشتے کی جڑیں تلاش کرنے کی ایک مناسب اور موزون سعی کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ خوب کی ہے۔

اقبال اور رومی کا مطالعاتی اور فکری اشتراک دراصل کوئی پائیدار معنویت اپنے قارئین پر منکشف ہی نہیں کر پاتا جب تک ہر دو مفکرین کے فکری پس منظر کی سطح تلاش نہ کر لی جائے اور میرے نزدیک عمران لیاقت کی یہ تالیف اسی باعث خاصے کی چیز ٹھہرتی ہے کہ آپ نے پیرِ رومی اور مریدِ ہندی کی فکری سطح بجا طور پر قرآن حکیم کی شکل میں دریافت کر لی ہے یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ ہر دو کے فکری مناصب میں سب سے زیادہ

قوت رکھنے والی سطح قرآن حکیم ہی ہے لیکن پھر اس دعویٰ کے ثبوت فراہم کرنا کچھ آسان کام نہیں کا رِدارد کا مضمون ہے۔

الحمد للہ کہ عمران لیاقت خالص علمی زبان اور لہجے میں یہ مضمون پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

سمیع اللہ قریشی

سمیع اللہ قریشی

پروفیسر اسلامک اسٹڈیز

جھنگ

۲۷/فروری ۸۶ء

عمران لیاقت ایک نوجوان خطیب اور دانشور ہیں۔ ان کی یہ کتاب رومی و اقبال در حکمت قرآن۔ ان کی شب و روز کی محنت کا ثمر ہے۔ اس کتاب کی اصل اہمیت اس کا DEBATABLE CONTROVERSIAL ہے انہوں نے اپنی تحریر سے بند ذہنوں پہ دستک دی ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ انکی یہ دستک بہت سے ذہنوں کو ناگوار گزرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے بعض تصورات، علمی و فکری مسائل، شخصیات اور ان شخصیات کے افکار کے متعلق خاص سانچے بنا رکھے ہیں ان سانچوں کا تعلق فکر و تدبّر سے زیادہ تقلید اور اس سے بڑھ کر تضادات اور انکے تحفظ اور انکی تکمیل سے ہے دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم بعض تصورات علمی و فکری مسائل اور شخصیات کو سرکاری عینک سے دیکھتے ہیں اور اس حوالے سے جو چیزیں سامنے آتی ہیں وہ ان تصورات، و مسائل اور شخصیات کا "سرکاری اظہار" کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتیں۔ جس کا تعلق کسی بھی فکری و علمی مسئلے سے نہیں ہوتا۔ عمران لیاقت نے علامہ اقبال اور رومی کو سرکاری عینک اور سوچ و فکر کے مروجہ محدب عدسوں سے دیکھنے کے بجائے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اپنے فکر و فہم اور قوتِ فیصلہ پہ یقین کرتے ہوئے پوری سچائی کے ساتھ اپنی آراء کا اظہار کیا۔ یہ کام صرف ایک باشعور اور حوصلہ مند نوجوان ہی کر سکتا تھا۔

اسی لیئے یہ کتاب علامہ اقبال پہ لکھی گئی کتابوں سے مختلف ہے انہوں نے عرق ریزی سے کام کرتے ہوئے علامہ اقبال کے "خودی کو کر بلند" والے پہلو کی نسبتاً "اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو" کو اہمیت دی ہے اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال کے تصورات اتنے محدود نہیں ہیں، جیسے کہ انہیں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اس کا تعلق عام بنی نوع انسان سے ہے کتاب کی اہم بات عالم مولید سے تدبیر یعنی حضور اکرمؐ کی سیرت کا معاشرتی اور مادی صورتِ حال پہ اطلاق۔ اس ضمن میں انہوں نے حضور اکرمؐ کی سیرت کا جائزہ ایک مختلف انداز سے لیا ہے اور عام مادی صورتِ حال پہ سیرت کا اطلاق کر کے یہ دکھا دیا کہ حضورؐ کی سیرت کو اس طرح بھی دیکھا جا سکتا ہے اور یہ اس کتاب کا بہت ہی اہم پہلو ہے۔

نسیم دانش
شعبۂ اردو۔ وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی

لامحدود کمال

قدیم دانشوروں نے مذہب کا دوسرا نام وہم نفس رکھا۔ میرے نزدیک یہ وہم نفس ہی نہیں بلکہ "نفرت" ہے۔ نفرت بھی اسے کہہ کر میرے نفس کو تسکین نہیں یہ تو نفرت کبرای ہے۔ میرے علم وشعور کو نفرت کی خاردار جھاڑیوں میں مقید کر دیا گیا۔ اور برسوں سے مَیں اُن آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں کیونکہ نفرت کے تعفن زدہ غاروں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر جہالت کی پھپھوندسی جم گئی ہے۔

اور وجود جہل نفس سے ناآشنا ہے۔

اس جہالت کی پھپھوندی نے سہارا مادیت لے کر تقوٰی کا لبادہ اوڑھ لیا ہے جو کبھی مکارمِ اخلاق بن کر، کبھی منقولات بن کر، صدیوں سے انسانیت کا خون چوس رہی ہے۔ جو دیوہیکل اژدہے کی طرح انسان کے وجود کو نگل گیا ہے۔ اُس کے مُنہ سے نکلنے والی آگ نے کاغذی پیرہن کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔

وہم نفس کی تلوار نے میری کاٹھ کی تلوار کے ٹکڑے

ٹکڑے کر دیے۔

مگر میں آزاد ہو گیا اور اپنے ٹوٹے ہوئے قلم کو ہاتھ میں لے کر منتشر افکار کو یکجا کر کے کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا رہا اچانک مجھے حوران آگہی نے گھیر لیا۔ تو میرا قلب جام جہاں نما بن گیا میں نے چلا چلا کر پوچھا یہ کونسی جگہ ہے تو جواب ملا وہ جگہ جہاں لوح محفوظ پر نسخہ کیمیا موجود ہے۔ اب میرا قلم میری فکر آزاد ہے۔

میں علم و عرفان کے سمندر میں غوطہ زن ہوں قطرہ بارگاہ عشق سے فیض پا کر قلزم متلاطم بن گیا تو آواز آئی۔

یہ لامحدود کمال کی طرف تمہارا پہلا قدم ہے۔

عمران لیاقت حسین

مُلّا کریسی

"رومی و اقبال در حکمت قرآن" اس جملہ کی تشریح مجھ ناچیز کی رائے میں یہ ہے کہ مولوی معنوی اور مفکر اسلام کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو طالب علم اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان کی فکر صرف مخصوص عقائد کی پیروی نہیں کر رہی اور نہ ہی مذہبی منافرت اور فرقہ واریت کا کوئی نظریہ جنم دے رہی ہے بلکہ یہ فکر دراصل "کشاف القرآن" ہے۔

کیونکہ قرآن کا موضوع "انسان" ہے۔ اُن کا کلام اس موضوع کی تشریح و توضیح کر رہا ہے۔

اس کتاب میں جن اہم موضوعات پر بحث کی جائے گی اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ فلسفہ قرآن کی روشنی میں مفہوم علم کیا ہے۔

علم میں ارتقا، جستجو اور معقولات کے وہ جوہر ہیں جن کی چمک سے روایات و منقولات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔

کیوں کہ انسان تب اپنے حقیقی ارتقائی سفر کی جانب نکلتا ہے جب اُسے اپنے نفس کی جہل کا علم ہو جائے۔ وہ خود شناس ہو۔ اور خدا شناس بھی۔ کلیسائی فکر رکھنے والی مُلّا کریسی جس نے منقولات

کے عمامے پہن رکھے ہیں ابھی شعور و آگہی کے فلسفہ سے ناواقف ہے

اگر ماضی کی تواریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان نے جب بھی فکر و شعور کے علم بلند کرنے کی کوشش کی تو انسانی صورتوں میں ایسی دیواریں حائل ہو گئیں جنہوں نے توہمات نفس کا سہارا لے کر (جسے وہ ایک مقدس اور آسمانی پیغام کہتے تھے) کاری ضرب لگانے کی کوشش کی۔ کیا وہ منصور کا نعرہ **انا الحق** روک سکے؟ اور روک بھی کس طرح سکتے تھے کیوں کہ یہ صاحب شعور انسان انبیاء کی صورتوں میں، صالح بندوں کی شکل میں آئے اور قلب انسانی میں معرفت کی شمعیں روشن کر گئے۔

آج کے دور میں دانش و قلم کی مخالفت ہو رہی ہے اور فکرِ کلیسا رکھنے والی مُلّا کریسی یہ نہیں چاہتی کہ انسان باشعور اور صاحبِ علم بنے۔

استبداد سلطانی و مُلّائی جمود کا مشن یہی ہے کیوں کہ اس فکر کا عروج اس وقت ہوتا ہے جب سرمایہ دار و جاگیردار اور آمر حکمرانوں کو اپنی ملوکیت کو مضبوط کرنا ہو۔ وہاں یہ دو رکعت کے امام بن کر انسانیت کی تقدیروں کو بنانے اور بگاڑنے کا واحد ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر کیوں نہ بنے۔ روائتی حکمران ٹولہ اور سرمایہ دار طبقہ کب چاہے گا کہ کسان یا مزدور کا بیٹا صاحبِ علم اور صاحبِ شعور بنے اور علم و عمل کا نفیس امتزاج (مردِ مومن) بن کر قوم کی صحیح قیادت و رہنمائی کرے۔ اس حوالے سے قرآن کا انسانیت کو کیا پیغام ہے اور رومی و اقبال نے اس کی تشریح کس طرح کی ہے:-

(۹) کیونکہ اہل اللہ کو علماء سے ہمیشہ اذیتیں پہنچی ہیں۔ قرآن علماء کا کیا تصور پیش کر رہا ہے۔ یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ (سورہ فاطر)

ترجمہ "اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں صرف علم رکھنے (علماء) والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔"

ظاہر ہے کہ جو لوگ عجائبات پر غور نہیں کریں گے وہ اللہ کی دانش و حکمت کا کوئی تصور قائم نہیں کر سکتے اس لئے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں علم والوں (علماء) کا مفہوم مکمل طور پر واضح ہو گیا۔ یعنی جو مادی و معنوی علوم پر دسترس رکھتا ہو۔ اُس میں ایک آسمانی بے چینی ہو تو ہمیشہ فطرت کو مسخر کرنے میں سرگرداں ہو اُس کا مرکز راسخون فی علم ہوں۔ بلندی انسان کو جب حاصل ہو گی جب وہ خانقاہوں سے نکلے اور فروعی و نظری مسائل کی زنجیروں سے آزاد ہو۔

(۱) کیوں کہ اس آیت مبارکہ میں لفظ کذٰلک پر جمہور کے نزدیک وقف ہے جو اس کی علامت ہے کہ لفظ پچھلے مضمون کے ساتھ متعلق ہے یعنی مخلوقات کو مختلف انواع اقسام اور مختلف الوان کو بڑی حکمت کے ساتھ بنایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی خاص شان ہیں۔

اور آیت مبارکہ میں علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات وصفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں صرف عربی زبان اس کے صرف ونحو اور فنون بلاغت جاننے والے کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جا سکتا۔

یعنی صاحب علم کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے نظریات ترقی پسندانہ ہوں اور اُسکی روشن خیالی میں فکر، ذکر نہیں بلکہ تسلیمی ہو۔ جہاں ذکر و فکر ہم آغوش نظر آئیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج (سورہ ال عمران)

ترجمہ:۔ بے شک آسمان اور زمین کا بنانا رات دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور

---

(۱) مولانا مفتی محمد شفیع (معارف القرآن) سورہ ال عمران۔

بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔
علامہ فرماتے ہیں۔

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا علم الاسما
مقام ذکر کمالاتِ رومیؒ و عطارؒ
مقام فکر مقالات بو علی سینا
مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکاں
مقام ذکر ہے سبحان ربّی الاعلیٰ

یہ وہ منزلیں ہیں جہاں صاحب عارف معرفت کی منزلیں طے کرتا ہے جہاں اُس کی فکر کو آرزوئے حق علم کو تیقن اور عمل کو کسی محکم احساس کی ضرورت ہے کیوں کہ فکر انسانی کا عمل ترکیب و ائتلاف مرتکز ہوتا ہے تو اسی ایک نقطے پر پھر اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ فکر اور وجدان بالطبع[(۱)] ایک دوسرے کی ضدیں کیوں کے دونوں کا سرچشمہ ایک ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا سبب بنتے ہیں۔ ایک جزواً جزواً حقیقت مطلقہ پر دسترس حاصل کرتا ہے دوسرا من حیث الکل ایک کے سامنے حقیقت کا دوامی پہلو ہے یعنی ایک دوسرے کے رنگ میں قدیم اور حادث گویا وجدان اگر بیک وقت تمام حقیقت سے لطف اندوز ہونے کا طلبگار ہے تو فکر اس راستے پر رک رک کر

---

۱ خطبات اقبال The Reconstruction of Religious Thought in Islam

قدم اُٹھاتا ہے۔ دراصل وجدان جیسا کہ برگساں نے نہایت ٹھیک کہا ہے کہ فکر ہی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔

یعنی اپنی عمیق تر حرکت میں البتہ فکر اس قابل ہے کہ اس موجود لامتناہی تک جا پہنچے۔

انسان کی پیدائش جس ماحول میں ہوئی اس کا مطالبہ ہے کہ ہم اس روحانیت کا اثبات کریں جو ہماری ذات کے اندر موجود ہے۔ کیوں اسلام عینی اور واقعی یا حقیقت اور مجاز کے انصال کا اعتراف کرتے ہوئے دنیائے مادیت کو رد نہیں کرتا بلکہ لبیک کہتے ہوئے اس کے تسخیر و تصرف کا راستہ دکھلاتا ہے۔ یعنی ہم اپنی زندگی کا نظم و انضباط واقعیت کی اساس پر کریں۔

یعنی یہ بات ثابت ہوئی کہ انسانی وجود جو ایک طلسم بُود عدم ہے اُس میں مختلف اسرار پوشیدہ ہیں مگر ترقیٔ انسان اُسی وقت ممکن ہے انسانیت کا حقیقی ارتقائی سفر اس چیز کا محتاج ہے کہ انسان خود آگاہ بن کر جہل نفس کے خلاف جہاد کرے اور حقیقی علم حاصل کرے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ "علم انسانی کی نوعیت تصوری ہے اور تصوری علم کا ہی حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر انسان حقیقت مطلقہ کے مرئی یا قابلِ مشاہدہ پہلوؤں کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ چنانچہ قرانی تعلیمات کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے حقیقت کے اس پہلو کو جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے بے حد اہمیت دی" سورہ بقرہ میں جہاں ہمیں تخلیق آدم کا فلسفہ ملتا ہے اُس منزل پر علم اور انسان کو ایک دوسرے پر لازم و ملزوم قرار دے دیا گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ
قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ
عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ
اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ
یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ
اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ اِذْ قُلْنَا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى
وَ اسْتَكْبَرَ ٭ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: جب تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا میں زمین میں ایک
خلیفہ بنانے والا ہوں (اس پر) انھوں نے کہا کیا تو ایسے شخص

بھی) پیدا کرے گا جو اس میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے اور ہم (تو وہ ہیں) جو تیری حمد کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح بھی کرتے ہیں اور تجھ میں سب بُرائیوں کے پائے جانے والا اقرار دیتے ہیں۔ (اس پر اللہ نے) فرمایا میں یقیناً وہ جنتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اور (اللہ نے) آدم کو سب نام سکھائے (پھر جن کے وہ نام تھے) اُن کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا اگر تم درست بات کہہ رہے ہو تو تم مجھے اُن کے نام بتاؤ۔

انھوں نے کہا تو بے عیب ہے (جو کچھ) تو نے ہمیں سکھایا ہے اُس کے سوا ہمیں کسی قسم کا علم نہیں ہے یقیناً تو ہی کامل والا (اور ہر قول و فعل میں) حکمت کو مدِّ نظر رکھنے والا ہے۔

(اس پر اللہ نے) فرمایا اے آدم ان فرشتوں کو اُن کے نام بتا۔ پھر جب اُس (یعنی آدم نے) اُن کو اُن کے نام بتائے (تو) فرمایا کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا یقیناً آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتیں جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہیں۔

اور جو تم چھپاتے ہو اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

(مولوی معنوی فرماتے ہیں)

بوالبشر کو علم الاسما بگ ست
صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ ست
اسم ہر چیزے چناں کاں چیز ہست
تا بپایاں جان او را داد دست
اسم ہر چیزے تو از دانا شنو
رمز و سر علم الاسما شنو
اسم ہر چیز بر ما ظاہر ش
اسم ہر چیزے بر خالق سرش
چشم آدم بنور پاک دید
جان و سر نامہا گشتش پدید (روم رح)

حضرت رومؒ فرماتے ہیں کہ ابو بشر جو (فخر) علم الاسماء کے تاجدار ہیں اُن کی رگ رگ میں لاکھوں علم ہیں۔ کیوں کہ انسان جو اپنی حیثیت میں خود ایک عالم اصغر ہے اور اُس میں ایک عالم اکبر پوشیدہ ہے۔ وہ صرف اطاعت تکوینی نہیں کر رہا بلکہ وہ اطاعت تشریحی کر رہا ہے جس میں خیر اور شر کے درمیان ایک میزان ہے۔ وہ خلیفۃ الارض اسی لئے ہوا کہ اللہ نے اُس کے وجود میں اسرار علم پوشیدہ کر دیئے ہیں۔

اور اگر اُسے معرفت علم حاصل ہو جائے تو وہ بحر بیکراں اپن کر کائنات میں ایک انقلاب پر پا کر دے کیوں کہ اُس منزل پر وہ تابع فطرت نہیں بلکہ فطرت خود اُس کے تابع ہے۔

یہی وجہ تھی کہ سجدہ حضرت آدمؑ کو کرانا مقصود نہیں تھا بلکہ علم الٰہی کو تھا وہ علم الٰہی جس کے لئے رومیؒ فرماتے ہیں۔ آدم کے وجود سے نور حق کی شعاعیں پھوٹنے لگیں۔

چوں ملائک نور حق دیدند ازو
جملہ اُفتادند در سجدہ برو

(رومؒ)

اور ملائکہ سجدہ میں گر گئے۔

علم الاسماء کی تشریح کے لئے دفتر درکار ہیں اس کی کچھ تشریح ہم عقل و عشق کے موضوع میں کریں گے۔

(مثنوی مولوی معنوی) (صفحہ ۱۳۲) دفتر اول۔ حصہ دوم

مولوی معنوی علم اسماء کے فلسفہ پر یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ علم تقلید نہیں علم تحقیق ہے۔ کیوں کہ خانقاہ پرست مذہبی رہنما ہمیشہ تحقیق کی مخالف کرتے رہیں ہیں اور تقلید کی حمایت لیکن اسلام تقلید کی پرزور مخالفت کرتے ہوئے تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔

تقلید تو ہم پرست روایت پرست اور صنم پرست ہے علم تقلیدی کا مرکز عقل جزوی ہے۔ جو روحانیات سے ماورا ہے۔ اور صرف اُس کی پہنچ مادیت تک ہے۔ اس کے برعکس تحقیق ارتقاء تلاش جستجو اور طلب کا نام ہے جس کا مرکز عقل فعال ہے۔ اور جس کا سفر عقلِ کل کی طرف ہے۔ ظاہر پرست ملاّ تحقیق کی پُرزور مخالفت کرتے ہوئے دین کافری کا نام دیتے ہیں۔ لیکن علامہ اُس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ۔

دین کافر ی فکر و تدبیر و جہاد
دین ملاّ فی سبیل اللہ فساد

علامہ کے علم اسماء کے فلسفہ کی وضاحت سے پہلے ہم مولوی معنوی کے فلسفہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔

علم تقلیدی بود بہر فروخت
چوں بیابد مشتری خوش برفروخت
مشتری علم تحققی حق ست
دائما بازار اُو بارونق ست

لب بہ بستہ مست در بیع وشرا
مشتری بخید کہ اللہ اشتریٰ
آدم النبم یا سما درس گو
شرح کن اسرار حق را مو بمو!

علم تقلیدی سے صرف انسان کو مادّی فوائد مل سکتے ہیں لیکن علم تحققی کا خریدار خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس تشریح کے لئے آیت آیت مبارکہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

ترجمہ:۔ اے بندوں ہم تم سے تمہارے نفوس و مال خرید لیتے ہیں اور اُس کے بدلے جنت عطا کرتے ہیں (سورہ توبہ)

دوم جلد چہارم ۱۲۴

یعنی عجیب بات ہے بندہ جو بیچتا ہے وہ اُس کا دیا ہوا ہے اور جو دے گا وہ بھی اُس کا دیا ہوا ہے

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا (غالب)

اسی لیے مولانا فرماتے ہیں

کے اے آدم ملائکہ کو اسماء سے مطلع کر واُن کو درس دو اور اسرار حق خوب کھول کر بیان کرو۔

علامہ علم اسماء کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ۔

ایۂ تسخیر اندر شان کیست

ایں سپہر نیلگوں حیران کیست

راز دانِ علم الاسما کہ بود

مست آں ساقی و آں صہبا کہ بود

روئے تو ایمان من قرآن من

جلوۂ داری دریغ از جان من

از یانِ صد شعاعِ آفتاب

کم نمی گردد متاعِ آفتاب

یہ آیت مبارکہ علامہ کی نظر میں مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کر رہی ہے۔
ایک طرف وہ عمل تسخیر کا مرکز ہے اور تسخیر صرف مادیت کی نہیں بلکہ ایسی تسخیر جو سرمایہ دماغ کی حد تک محدود نہ ہو بلکہ وہ قلب و نظر شکار کر کے متاع جاں بن جائے فطرت کے اشارے وہ سمجھنے لگے ہر جزو کل کو پر کھنے لگے اور حق یقین کی منزل پر وہ ایسا آفتاب بن جائے جس کی لامحدود روشنی لاکھوں تاریک قلوب کو منور کرنے کا باعث بنے کیوں یہ وہ علم قرانی ہے جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔
پھر قرآن تو معجزہ قلبی و عقلی ہے اس سے پہلے کے معجزات دراصل معجزہ حسی تھے جو مرکز بصارت تھے قران مرکز بصیرت ہے اور بصارت فنا ہے بصیرت بقا ہے۔
علم الٰہی جو انسان کو عطا ہوا۔ (بہت ہی قلیل صورت میں یعنی اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے بہت محدود علم اپنے بندے کو عطا کیا ہے) لیکن سورہ نمل کی ان آیات مبارکہ میں عجب و غریب نکات اُبھر کر ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ۳۸، ۳۹

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾
قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ ۖ

ترجمہ: (حضرت سلیمان علیہ السّلام) نے کہا اے دوبار والو تم

میں کوئی ہے کہ لے آئے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ

وہ آئیں میرے پاس حکم بردار ہو کر بولا ایک دیو جنوں میں سے

میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو کہ پہلے اس سے کہ تو اُٹھے اپنی جگہ

سے اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر۔ بولا وہ شخص جس کے پاس

تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو

پہلے اس سے کہ پھر آئے طرف تیری آنکھ پھر جب میں نے دیکھا اُس

کو دھرا ہوا اپنے پاس، کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔

اِن آیت مبارکہ کی روشنی میں عمل سلیمانی یہ بتا رہا ہے کہ علم الٰہی کا کیا مقام ہے۔ یعنی علم کتاب کی منزل کمال یہ ہے کہ پلک جھپکے نہیں اور تخت آجائے۔

اپنی کتاب کے آغاز میں اس مختصر بحث کا مقصد یہ تھا کہ علم دراصل خانقاؤں میں بیٹھ جانے کا نام نہیں علم انسان کے وجود میں وہ آسمانی بے چینی پیدا کرتا ہے۔ کہ انسان جزء سے کُل کی طرف اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ اور معاشرتی زندگی میں ہم مادی علوم کو نظر انداز نہیں کر سکتے بلکہ مادی اور معنوی علوم کے نفیس امتزاج کے بغیر انسان مکمل طور پر ترقی نہیں کر سکتا کیوں علم رہبانیت پرستی نہیں بلکہ علم انسان کو

ایک اچھا معاشرتی انسان بنانا چاہتا ہے جس میں روحانی صلاحیتوں کے ساتھ مکمل طور پر معاشرتی عمرانی خیالات کی صحیح روشنی موجود ہے۔

منزل علم انسان کو مقلد نہیں بناتی بلکہ وہ محقق بنتا ہے اور پھر مقلد اور تخلیق کار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مکمل انسان وہ ہے جو تقلید کی زنجیروں اور فرسودہ روایات سے آزاد ہے اور اُس میں جستجو وطلب کا سمندر ٹھاٹھے مار رہا ہے۔

مولانا روم اپنے پورے کلام میں تقلید کی مخالفت کرتے ہمیں نظر آتے ہیں اور تحقیق کی دعوت دیتے ہیں۔

زانکہ تقلید آفتِ ہر نیکوی ست

کہ بود تقلید اگر کوہ قومی ست

از مقلد تا مُحقّق فرقہاست

کایں چو داؤد ست واں دیگر صداست

منبع گفتار ایں سوزے بود!

واں مقلد کہنہ آموزے بود

ہم مقلد نیست محروم از ثواب

نوحہ گر را فرد باشد در حساب

دراصل نیکی کی آفت تقلید ہے۔ دیکھنے میں پہاڑ ہے مگر تنکے

سے بھی کم حقیقت رکھتی ہے۔ مقلّد اور محقق میں فرق یہ ہے کہ محقق تو گویا داؤد علیہ السلام کی طرح صاحب آواز ہے اور مقلّد محض آواز ہے۔ دراصل محقق کا کلام سوز دل ہے۔ مقلّد پرانا سیکھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ آوازِ قلب کی نفی کرتا ہے۔ مقلد پرست خواب سے محروم ہے۔ اور عمل سے بھی اُس کی مثال ایک نوحہ گر کی ہے۔ جو اپنے کام کی اُجرت لیتا ہے۔

اور یہ صرف مولانا کی ہی فکر نہیں۔ بلکہ قران پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ یتفکرون کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور تحقیق و جستجو کو دراصل فرض انسانی ٹھہرایا ہے۔

سورہ فرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾

ترجمہ:۔ "بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اُس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہر

اس شخص کے لئے جو سبق لینا چاہئے یا شکر گزار ہونا چاہئے۔"
یعنی اصل ضرورت نشانیوں کی نہیں بلکہ نشانیوں سے فائدہ اُٹھانے کے ارادے کی ہے۔ یعنی ایک جذبہ اور ارادہ جو دعوت تحقق دیتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کی روشنی میں علامہ کی نظر میں تحقیق آزادی روح و فکر ہے۔ تقلید غلامی و محکومی کیوں کہ انسان کا مقصد اسرار کائنات کو بے حجات کرنا ہے۔

آزاد کی اگ سخت ہے مانند رگ سنگ
محکوم کی رگ نرم ہے مانند رگ تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ پر سوز و طرب ناک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندہ افلاک ہے یہ خواجہ افلاک

یا

آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات

یا

خود گیری و خودداری و گلبانگ انا الحق
آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
محکوم ہو سالک تو یہی اس کا ہمہ اوست
خود مردہ و خود مرقد و خود مرگ مفاجات

آزادی، تحقیق جستجو ہی علم کی صحیح بنیادیں ہیں مگر معاشرے میں علم تقلید کو ہی اصل علم سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ قرآنی آیات مبارکہ کو بھی کچھ فرسودہ خیالات تک محدود کر دیا گیا یا اس کو صرف ایک پیشہ بنا دیا گیا ہے۔ روح تحقیق و فکر ختم ہو چکی ہے اور جو لوگ علم الہٰی کو پیشہ بناتے ہیں اُن کیلئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ (۲۰۰) آل عمران

ترجمہ: اہل کتاب میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں۔ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود اُن کی طرف بھیجی گئی اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ اور اللہ کی

آیات کو تھوڑی سی قیمت پر نہ بیچ نہیں دیتے۔
مگر آج دینِ اسلام نے پیشہ کی شکل اختیار کرلی ہے۔ وہ دین جس کا موضوع انسان تھا اور تمام عالم انسانی کے لئے نور ہدایت تھا آج صرف تقلید پرست مولویوں کی حد تک محدود ہوگیا ہے۔

(اس لئے مولانا روم اِن آیات مبارکہ کی روشنی میں فرماتے ہیں)

اللہ اللہ میزنی از بہر ناں

بے طمع پیش آ و اللہ را بخواں

سالہا گوید خدا آں ناں خواہ

ہمچو خر مُصحف کشد از بہر کاہ

نام دیوے رہ بُرَد در ساحری

تو بنام حق پشیزے مے بری!!!

مولانا معنوی فرماتے ہیں کہ تم روٹی کمانے کے لئے اللہ اللہ کہتے ہو۔ تکلم پرستی کو چھوڑ کر آگے بڑھو کیوں کہ روٹی مانگنے والا (فقیر) برسوں خدا کا نام لیتا ہے (اور گاتا پھرتا ہے) مگر اس کے دل پر اس کا ایک لمحہ کے لئے بھی اثر نہیں پڑتا اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے گدھا گھانس کے لئے قرآن مجید کو اپنی پشت پر اُٹھا کر لئے چلتا ہے۔ دیگر الفاظ و معانی اور کیفیات سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر مولانا فرماتے ہیں کہ یہ کیا غضب ہے ایک شیطان کا نام تو جادو کے فن میں اپنا اثر کر جائے اور خدا کے نام

میں اس کے سوا کوئی برکت نہ ہو کہ اس سے تم پیسہ کمانے پھرو (اور بس)
مولانا نے اپنی مثنوی میں تقلید پرست اور پیشہ ور مولویوں کا ایک صحیح خاکہ پیش کیا ہے۔

علامہ دراصل تحقیق کو اطاعت تشریحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جہاں عمل نکوہنی کی نفی ہوتی ہے۔ اس لیے کہہ اُٹھتے ہیں۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح مناجات
وہ مذہب مردانِ خود آگاہ و خدامست
یہ مذہب ملّا و جمادات و نباتات

ایسا لگتا کہ علامہ نے سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہو اس میں بندۂ مومن کی اطاعت کا ایک صحیح خاکہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان اشعار کی تشریح کے لیے پوری ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مگر ہم ان کی مختصر تشریح کو ضروری سمجھتے ہوئے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ انائے متعلق ہے اس لئے اُس کی ہر تخلیق میں انا شامل ہے وہ اناوں کا خالق ہے۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی تسبیح کر رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

سورہ بنی اسرائیل میں۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا کہ یہ دراصل اطاعت تکوینی

ہے انسان جو اس دنیا میں خدا کا خلیفہ ہے وہ صرف پابند تقدیر

نہیں ہوسکتا (فلسفہ تقدیر پر ہم اگلے صفحات میں بحث کریں گے)

سورہ حج میں ارشاد ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ

فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ

وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ

سورہ حج میں ایک اہم گفتگو شروع ہوئی کہ

ترجمہ: آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ ہم کو سجدہ کر رہے ہیں۔ سورج

طلوع ہوکر سجدہ کر رہا ہے قمر بدر منیر بن کر سجدہ کر رہا ہے۔

تارے ٹمٹما کر سجدہ کر رہے ہیں۔ فصلیں سرسبز ہوکر سجدہ کر رہی

ہیں لیکن بہت سے انسان بھی ہم کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعنی

وسعت افلاک میں ہیں تکبیر مسلسل یا خاک کی آغوش

میں تسبیح مناجات۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾

انسان جب اطاعت الٰہی کے لئے بڑھتا ہے تو خیر و شر کا معیار اُس کے سامنے ہوتا ہے۔ اگر چاہیئے تو اسفل اسافلین کے دلدل میں گم ہو جائے اور اگر چاہیئے تو احسن تقویم کی طرف سفر کرے کیوں کہ اُس کی عبادت اُس کا مذہب نباتات جمادات کا مذہب نہیں بلکہ ہم نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں۔ بلکہ بحیثیت شعور ہماری عبادت کریں۔ خود آگاہ و خدامست بندے ہوں۔

مرزا غالب کہتے ہیں کہ

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

تسلیم ہماری فطرت ہے بے نیازی اس کی عادت ہے۔ اس منزل پر فکر۔ فکر تسلیمی بن کر زماں و مکاں سے ماوٗرا ہو جاتی ہے۔ اور ایک لا متناہی کمال حاصل کر لیتی ہے۔

غالب ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

ہم موحد ہیں ہمارے کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

یعنی ظاہر پرستی کا خاتمہ۔ روایات سے بغاوت کیوں کہ انسان خود ساختہ رسم رواج کا پابند ہو کر شرکیات میں متفرق ہو گیا ہے۔ تسلیم رضا کی اعلیٰ منزل یہی ہے کہ تخمس وطن اور رسم و رواج کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا جائے اور ایک مثالی و حقیقی انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی جائے۔

جو مثالی سچائی۔ مثالی انصاف اور مثالی انسانی دوستی کے تمام معاشرتی اور اخلاقی قدروں کا سرچشمہ سمجھا جائے۔

خودساختہ الہیاتی ورواینی تصورات اور تعصبات ہماری ذہنی صلاحیتوں کو اُبھرنے نہیں دیتے مثلاً خیالات کو بلا سوچے سمجھے قبول کرنے کی عادت۔ اور تحقیق کا اولین مقصد یہی ہے کہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنا تخلیقی توانائی کا تحفظ اور غیر اخلاقی برائیوں سے بچنے کے لئے عزتِ نفس پیدا کرنا۔

لینن عظیم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"سماجی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جو انقلابی پہلو اور عزم ارادہ درکار ہوتا ہے۔ اُس کی لازمی شرط سماج کے اُبھرتے ہوئے عناصر میں انقلابی شعور کی ترتیب ہے۔

شعور و احساس کی اس ترتیب میں برسوں صرف ہوتے ہیں اس لئے سماجی انقلاب سے پہلے فکری انقلاب ضروری ہے۔"

اگر ہم معاشرے کی بنیادی تعریف پر نظر دوڑائیے تو بات مکمل طور پر واضح ہو سکتی ہے۔ فکری ہم آہنگی رکھنے والے افراد کا نام معاشرہ ہے۔ جہاں افراد آپس میں مربوط ہوتے ہیں فکر

کے لحاظ سے اس لئے چودہ سو سال پہلے اسلامی انقلاب دراصل عسکری انقلاب کا نام نہیں تھا۔

جہاں کسی وسیع ریاست کے لئے جدوجہد کرنا مقصود ہو بلکہ ایک صحیح فکری انقلاب کو برپا کرنا تھا جو تعمیر آدمیت کی بنیا دینے جہاں آزادی ضمیر آزادی رائے آزادی اجتماع آزادی تنظیم ہو اور اخلاقی قدریں بلند ہوں کلیسائی نظام کا خاتمہ ہو۔ مگر افسوس ظاہر پرستوں نے جو ۱۵ سو سال سے اس تھیوکریسی کی تقلید کی ہے۔ جو ہمیشہ عقلیاتی فلسفوں کی مخالفت کرتی رہی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں تاریخی جملے لکھتے ہیں(۱) (اسلامی ریاست)

"وہ حاکمیت کو خدا کے لئے خاص کرنے کی حد تک تھیاکریسی کے بنیادی نظریہ سے متفق ہے۔ مگر اس نظرئے پر عملدرآمد کرنے میں اس کا راستہ تھیاکریسی سے الگ ہو جاتا ہے مذہبی پیشواؤں کے کسی خاص طبقے کو خدا کی خصوصی خلافت کا حاصل ٹھہرانے اور حل وعقد کے سارے اختیارات اس طبقے کے حوالے کر دینے کے بجائے وہ حدود ریاست میں رہنے والے تمام اہل ایمان کو (جنہوں نے رب العلمین کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا شعوری عہد کیا ہے) خدا کی خلافت کا حامل قرار دیتی ہے۔ اور حل و عقد کے آخری اختیارات مجموعی طور پر اُن کے حوالے کرتی ہے۔

ہماری اس مختصر بحث کا مقصد یہ تھا کہ اُن عناصر کی پرزور مخالفت

---

(۱) ۵۴ خلافت ملوکیت اسلامی ریاست کی خصوصیات

کی جائے جو رہبانیت کو تقلید پرستی کو جنم دیتے ہیں اور علم فکر کی مخالفت مسلسل کرتے چلے آرہے ہیں علم کے لئے صحیح بخاری کی کچھ حدیثیں بہت اہمیت کی حامل ہے۔

باب ۲۱۳ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ یُقَاتِلُوْنَ وَھُمْ اَھْلُ الْعِلْمِ۔

حضور نے فرمایا کہ میری اُمّت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ وہ حق پر لڑتے رہیں گے اور وہ اہلِ علم ہیں۔

باب ۵۲ اَلْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَ الْعَمَلِ لِقَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَبَدَاَ بِالْعِلْمِ وَاَنَّ الْعُلَمَآءَ ھُمْ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ وَرَّثُوا الْعِلْمَ مَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ وَّمَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَّطْلُبُ بِہٖ عِلْمًا سَھَّلَ اللّٰہُ لَہٗ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّۃِ وَقَالَ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ وَقَالَ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ وَقَالَ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ وَقَالَ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ

علم، قول اور عمل پر مقدم ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا (یہ) ارشاد ہے "جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں (معلوم ہوا) اللہ نے علم سے آغاز کیا ہے" اور علماء ہی انبیاء کے وارث ٹھہرے ہیں، انہوں نے علم کو بطور ورثہ پایا جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑی دولت پالی، جو حصولِ علم کے لئے کسی راہ پر چلے خدا اس کے لیے جنّت کی راہ آسان کر دیتا ہے، ارشاد خداوندی ہے خدا ترس وہ ہیں جو علم والے ہیں اور فرمایا

يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ
وَاِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ فَقَالَ اَبُوْذَرٍّ
لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ
وَاَشَارَ اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّىْ
اُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِىِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ
تُجِيْزُوْا عَلَىَّ لَاَنْفَذْتُهَا وَقَوْلُ النَّبِىِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ
الْغَائِبَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُوْنُوْا
رَبَّانِيِّيْنَ حُكَمَاءَ عُلَمَاءَ فُقَهَاءَ
وَيُقَالُ الرَّبَّانِىُّ الَّذِىْ يُرَبِّى
النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ
كِبَارِهٖ ۞

ہے اس کو علماء کے علاوہ کوئی نہیں
سمجھتا" اور فرمایا ہے وہ کہتے ہیں
کاش ہم سنتے اور سمجھتے ہوتے تو
دوزخیوں میں سے نہ ہوتے،
اور فرمایا" کیا عالم اور جاہل برابر
ہیں" ارشاد نبوی ہے" خدا جس
کا بھلا چاہتا ہے اسے دین کی
فہم بخش دیتا ہے اور دین تو سیکھنے
ہی سے آتا ہے حضرت ابو ذر
رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تم میری
گردن (اشارہ کرتے ہوئے)
پر تلوار رکھ دو لیکن مجھے معلوم
ہو کہ تلوار چلانے سے پہلے میں
کوئی بات جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنی ہو اسے بیان
کر سکتا ہوں تو ضرور بیان کروں
گا اور فرمانِ نبوی" لیبلغ الشاھد
الغائب" بھی (اظہار علم کی طرف
اشارہ ہے) ابن عباس فرماتے ہیں
کونوا ربانیین سے حکماء اور علماء اور
فقہاء (مراد ہیں) اور کہا گیا ہے

کہ ربانی وہ ہے علم کی بڑی باتوں
سے پہلے چھوٹی اور مختصر باتیں
بتائے۔

بَابُ ۵۶ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ ؛

علم کی سوجھ بوجھ

۷۲- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ
قَالَ ثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ
لِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ
قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ
إِلَى الْمَدِينَةِ فَلَمْ أَسْمَعْهُ
يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا
حَدِيثًا وَاحِدًا قَالَ كُنَّا
عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ فَقَالَ
إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا
كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَأَرَدْتُ أَنْ
أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ فَإِذَا أَنَا
أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ فَقَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
هِيَ النَّخْلَةُ ؛

مجاہد کا بیان ہے کہ میں مدینہ
تک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ
عنہ، کے ساتھ رہا (اس دوران)
ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی ایک ہی حدیث سُنی،
انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے
اتنے میں ایک شخص کھجور کا گابھ
لایا تو آپ بولے درختوں میں
ایک درخت ایسا ہے کہ وہ
مسلمان کی مانند ہے (ابن عمر
فرماتے ہیں) دل چاہا کہ کہہ دوں
کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن
میں سب سے کم عمر تھا اس لیے
خاموش رہا تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے (خود) بتا دیا کہ وہ

کھجور کا درخت ہے،

بابٌ الاغتباطِ فی العلمِ والحکمۃِ

وَقَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوا وَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ وَبَعْدَ اَنْ تُسَوَّدُوا وَقَدْ تَعَلَّمَ اَصْحٰبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ كِبَرِ سِنِّهِمْ ؞

علم و حکمت میں رشک کرنا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ پیشوا بننے سے پہلے علم حاصل کر لو ابو عبد اللہ (امام بخاری) فرماتے ہیں سردار بنائے جانے کے بعد بھی (کیونکہ) اصحابِ رسول بوڑھے ہونے کے بعد بھی حصولِ علم میں لگے رہے،

۷۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اَبِيْ خَالِدٍ عَلٰى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهْرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا ؞

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا رشک بجز دو آدمیوں کے کسی پر جائز نہیں، اس شخص پر جسے خدا مال دیا ہوا اور وہ اس مال پر ان لوگوں کو قدرت دے جو اسے (راہ) حق میں صرف کریں، اور اس شخص پر جس کو اللہ نے علم عطا فرمایا اور وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا اور (لوگوں کو) تعلیم دیتا ہو،

علم کی جہاں اتنی اہمیت بیان فرمائی وہاں علم والوں کو ایک تنبیہ بھی کی ۔ کیوں کہ کہیں اُن کہ قول عمل میں تفاوپیدا نہ ہو جائے اور علم کی حقیقی روح سے الگ نہ ہو جائیں ۔

۳۴۲۱ - حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ یَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِیْمُوْا فَقَدْ سُبِقْتُمْ سَبْقًا بَعِیْدًا فَاِنْ اَخَذْتُمْ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِیْدًا ۔

ہمّام کا بیان ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اے قرآن کریم کا علم حاصل کرنے والو! سیدھے راستے پر چلو تو تم لوگوں سے بہت زیادہ سبقت لے جاؤ گے اور اگر دائیں یا بائیں جانب جھکے تو بہت زیادہ گمراہ ہو جاؤ گے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس دور کے علماسوٗ کے بارے میں اپنے خطبات میں مکمل طور پر صحیح اور واضح نقشہ کھینچا ہے ۔ آیا اُن کے دور میں مفتیان دین موجود تھے یا اُن کی نگاہ مستقبل کا تنقیدی جائزہ پیش کر رہی تھی ۔

جن کے مفہوم کو سمجھ کر حقائق کے بارے میں علم ہوتا ہے اُس کے کچھ اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں ۔

جہل اور جہل مرکبّ میں فرق

رَجُلَانِ رَجُلٌ وَّکَلَهُ اللّٰہُ اِلَی اللّٰہِ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِیْلِ

خدا کے نزدیک دشمن ترین مخلوق دو شخص ہیں، ایک وہ جیسے

مَشْغُوْفٌ بِكَلَامِ بِدْعَةٍ وَدُعَاءِ ضَلَالَةٍ فَهُوَ فِتْنَةٌ لِمَنِ افْتَتَنَ بِهٖ ضَالٌّ عَنْ هَدْيِ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ مُضِلٌّ لِمَنِ اقْتَدٰى بِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ وَبَعْدَ وَفَاتِهٖ حَمَّالٌ خَطَايَا غَيْرِهٖ رَهْنٌ بِخَطِيْئَتِهٖ ۔

اللہ نے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے پس وہ سیدھے راستے سے ہٹ کر بدعت اور گمراہی کیطرف بلانے میں مشغول ہے ایسا شخص اپنے ہر فریب خوردہ کے لئے فتنہ ہے اگلے لوگوں کی سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اپنے پیروؤں کو گمراہ کرنے والا ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی دوسروں کی خطائیں اپنے سر لادے ہوئے ہے حالانکہ وہ خود اپنے گناہوں میں رہن ہے۔

رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا مُوْضِعٌ فِيْ جُهَّالِ الْاُمَّةِ عَادٍ فِيْ اَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ عَمٍ بِمَا فِيْ عَقْدِ الْهُدْنَةِ قَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَلَيْسَ بِهٖ ۔

دوسرا وہ شخص جو جہالت کی باتوں کو (ہر طرف سے) جوڑ توڑ کر کے امت کے جاہلوں میں دوڑ دھوپ کر کے گمراہی پھیلاتا ہے۔ فتنہ و فساد کی تاریکیوں میں دوڑتا پھرتا ہے امن و صلاح کے فائدوں سے آنکھیں بند رکھتا ہے نام کے آدمیوں نے ان کا نام عالم (علامہ) رکھ دیا ہے۔ حالانکہ وہ عالم نہیں۔

بَكَّرَ فَاسْتَكْثَرَ مِنْ
جَمْعٍ مَاقَلَّ مِنْهُ
خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ حَتَّى إِذَا
ارْتَوَى مِنْ آجِنٍ
وَاكْتَنَزَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ
جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا
ضَامِنًا لِتَخْلِيصِ مَا الْتَبَسَ
عَلَى غَيْرِهِ -

وہ ایسی بے سود باتیں جمع کر کے اندھیرے منہ نکل پڑتا ہے جن کا کم ہونا زیادہ ہوتے سے کہیں بہتر ہے یہاں تک کہ جب وہ بدبودار پانی (جہالت) سے سیراب ہو جاتا ہے اور بے فائدہ باتوں سے اپنا خزانہ دماغ بھر لیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کے بیٹھ جاتا ہے اور جن مسائل میں دوسروں کو شبے ہوتے ہیں انہیں سلجھانے کا ضامن بن جاتا ہے۔

فَإِنْ نَزَلَتْ بِهِ
إِحْدَى الْمُبْهَمَاتِ هَيَّأَ
لَهَا حَشْوًا رَثًّا مِنْ رَأْيِهِ
ثُمَّ قَطَعَ بِهِ فَهُوَ
مِنْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِي
مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْكَبُوتِ
لَا يَدْرِي أَصَابَ أَمْ
أَخْطَأَ فَإِنْ أَصَابَ
خَافَ وَإِنْ أَخْطَأَ رَجَا
أَنْ يَكُونَ قَدْ
أَصَابَ -

سو اگر کوئی مشکل مسئلہ اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اپنی رائے سے بھرتی کی بودی دلیلیں پیش کرتا ہے اور اس کے صحیح ہونے پر یقین کر لیتا ہے وہ شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جیسے مکڑی اپنے جالے کے اندر۔ وہ خود نہیں جانتا کہ اس نے اس (مسئلہ) کا ٹھیک جواب دیا یا غلط؟ اگر اتفاقاً ٹھیک کہا ہو تو ڈرتا ہے کہ شاید غلط کہا ہے اگر غلط جواب دیا تو آس لگائے ہے کہ شاید ٹھیک کہا ہے۔

جَاهِلٌ خَبَّاطُ جَهَالَاتٍ

جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل خود بھی

عَاشٍ رَكَّابُ
لَمْ يَعُضَّ عَلَى الْعِلْمِ
بِضِرْسٍ قَاطِعٍ يُذْرِي
الرِّوَايَاتِ إِذْرَاءَ الرِّيحِ
الْهَشِيمِ ❊

کم نظر ہے اور ایسی سواریوں پر سوار ہے جنہیں سامنے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس نے علم کی لکڑی کو دانت سے نہیں کاٹا (علم کو نہیں پرکھا)، وہ احادیث و روایات کو اس طرح منتشر کر دیتا ہے جیسے ہوا خشک گھاس کو تتر بتر کر دیتی ہے۔

لَا مَلِيٌّ وَاللّٰهِ بِإِصْدَارِ مَا
وَرَدَ عَلَيْهِ وَلَا هُوَ أَهْلٌ
لِمَا فُوِّضَ إِلَيْهِ لَا
يَحْسَبُ الْعِلْمَ فِي شَيءٍ
مِمَّا أَنْكَرَهُ وَلَا يَرَى
أَنَّ مِنْ وَرَاءِ مَا بَلَغَ
مَذْهَبًا لِغَيْرِهِ ❊

خدا کی قسم وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں ہے جو اس پر پیش ہوئے ہیں اور نہ اس منصب کا اہل ہے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ جو چیز نہیں جانتا اسے قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتا اور یہ سمجھتا ہی نہیں کہ جو کچھ وہ جانتا ہے دوسرے اس سے زیادہ جان سکتے ہیں۔

وَإِنْ أَظْلَمَ أَمْرٌ اِكْتَتَمَ
بِهِ ❊

اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے دوسرے سے چھپائے رکھتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی جہالت سے خوب واقف ہے۔

لِمَا يَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ
نَفْسِهِ تَصْرُخُ مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ
الدِّمَاءُ وَتَعِجُّ مِنْهُ الْمَوَارِيثُ إِلَى اللّٰهِ
أَشْكُو مِنْ مَعْشَرٍ يَعِيشُونَ

اس کے ظالمانہ فیصلوں سے خون ناحق فریادی ہیں (بلکہ) غیر مستحق کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ بس خدا ہی سے اس گروہ کا شکوہ

جُهَّالًا وَ يَمُوتُونَ ضُلَّالًا لَا لَيْسَ فِيهِمْ سِلْعَةٌ أَبْوَرُ مِنَ الْكِتَابِ إِذَا تُلِيَ حَقَّ تِلَاوَتِهِ وَلَا سِلْعَةٌ اَنْفَقُ بَيْعًا وَلَا اَغْلٰى ثَمَنًا مِنَ الْكِتَابِ إِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَلَا عِنْدَهُمْ أَنْكَرُ مِنَ الْمَعْرُوفِ وَلَا أَعْرَفُ مِنَ الْمُنْكَرِ ؞

کرتا ہوں جو جہالت میں زندگی بسر کرتا ہے اور گمراہی میں مر جاتا ہے۔ جب قرآن کو اس طرح پیش کیا جائے جس طرح پیش کرنے کا حق ہے تو ان کے نزدیک قرآن سے زیادہ بے قیمت کوئی چیز نہیں، اور جب اس کی آیتوں کو بے محل تحریف کر کے استعمال کیا جائے تو اس سے زیادہ کوئی شے مقبول اور قیمتی نہیں ہے (ان کے نزدیک اچھی بات سے زیادہ کوئی چیز بُری نہیں اور بُری سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں)۔

مفتیان اسلام میں اختلاف رائے

تَرِدُ عَلٰى أَحَدِهِمِ الْقَضِيَّةُ فِي حُكْمٍ مِنَ الْاَحْكَامِ فَيَحْكُمُ فِيهَا بِرَأْيِهِ ثُمَّ تَرِدُ تِلْكَ الْقَضِيَّةُ عَلٰى غَيْرِهِ فَيَحْكُمُ فِيهَا بِخِلَافِهِ ثُمَّ يَجْتَمِعُ الْقُضَاةُ بِذٰلِكَ عِنْدَ الْإِمَامِ الَّذِي اسْتَقْضَاهُمْ فَيُصَوِّبُ

(مفتیوں کا یہ خیال ہے کہ) ان میں سے ایک کے پاس کسی شرعی حکم کیلئے کوئی مسئلہ آتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کے بارے میں ایک حکم صادر کر دیتا ہے پھر جب بعینہٖ یہی مسئلہ دوسرے پر وارد ہوتا ہے تو وہ اس کے برعکس حکم صادر کرتا ہے پھر جب سب قاضی اپنے اس امام کے پاس جمع ہوتے

آرَاءَهُمْ جَمِيْعًا وَاِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ وَنَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ وَكِتَابُهُمْ وَاحِدٌ ؛

ہیں جس نے منصب قضا ان کے سپرد کیا ہے تو وہ ان سب کی رایوں کو ٹھیک قرار دیکر توثیق کر دیتا ہے حالانکہ ان کا خدا ایک، رسول ایک، ان کی کتاب ایک ہے۔

اَفَاَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰى دمافه اَمْ كَانُوْا شُرَكَاءَ لَهٗ فَلَهُمْ اَنْ يَقُوْلُوْا وَعَلَيْهِ اَنْ يَرْضٰى ؛ ۱

کیا انہیں خُدا نے اختلاف کا حکم دیا تھا جس کی یہ پیروی کرتے رہے یا اس نے انہیں روکا تھا مگر انہوں نے اس کی نافرمانی کی۔ یا پھر یہ تھا کہ خدا نے اپنا دین نامکمّل نازل کیا تھا اور اب وہ ان سے اس کی تکمیل چاہتا ہے یا یہ (مفتی) اس کے شریک ہیں انہیں اختیار حاصل ہے کہ جو چاہیں کہیں اور خدا پر فرض ہے کہ وہ اس پر راضی رہے۔

اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ دِيْنًا تَامًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَنْ تَبْلِيْغِهٖ وَاَدَائِهٖ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقُوْلُ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ لِكُلِّ

دیا یہ ہے) کہ خدا نے تو مکمّل دین نازل فرمایا تھا مگر رسول صلعم نے معاذ اللہ تبلیغ وتشریح میں کوتاہی فرمائی۔ حالانکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن میں کوئی بات نہیں چھوڑی دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور یہ بھی فرمایا

شَیْئٍ ، وَذَکَرَ أَنَّ الْکِتَابَ بَعْضُہٗ بَعْضًا وَ اَنَّہٗ لَا اِخْتِلَافَ فِیْہِ فَقَالَ سُبْحَانَہٗ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا وَ اِنَّ الْقُرْاٰنَ ظَاهِرُہٗ اَنِیْقٌ وَبَاطِنُہٗ لَا تَفْنٰی عَجَائِبُہٗ وَلَا تَنْقَضِیْ غَرَائِبُہٗ لَا تُکْشَفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِہٖ ۔

ہے کہ قرآن کے بعض حصّے بعض حصّوں کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے فرمایا ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف سے آیا ہوتا تو یقیناً اس میں بہت سے اختلافات پاتے۔ یاد رکھو! کہ قرآن کا ظاہر دلفریب اور باطن بہت گہرا ہے نہ اس کے عجائب فنا ہو سکتے ہیں اور نہ غرائب ختم ہو سکتے ہیں اور تاریکیوں کا پردہ اسی کے ذریعہ چاک ہو سکتا ہے۔

مصنوعی علماء کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وَاٰخَرُ قَدْ تَسَمّٰی عَالِمًا وَلَیْسَ بِہٖ فَاقْتَبَسَ جَهَائِلَ مِنْ جُهَّالٍ وَ اَضَالِیْلَ مِنْ ضُلَّالٍ وَنَصَبَ لِلنَّاسِ اَشْرَاکًا مِنْ حَبَائِلِ غُرُوْرٍ وَقَوْلِ زُوْرٍ ۔

(اس کے مقابلہ میں) دوسرا شخص بھی ہے جس نے اپنا نام عالم رکھ لیا ہے حالانکہ عالم نہیں ہے اس نے چند جہالتوں اور گمراہیوں کو جاہلوں سے بٹور لیا ہے اور لوگوں کے لئے مکر و فریب کے اور غلط باتوں کے جال بچھا رکھے ہیں۔

قَدْ حَمَلَ الْکِتَابَ عَلٰی اٰرَائِہٖ وَ عَطَفَ الْحَقَّ عَلٰی اَهْوَائِہٖ

یہ کتاب خدا کی اپنی منشاء کے مطابق تفسیر کرتا ہے اور حق کو خواہشات کی طرف موڑ لیتا ہے لوگوں کو گناہانِ کبیرہ سے

يُؤْمِنُ مِنَ الْعَائِمِ وَيُهَوِّنُ — سے مطمئن کرتا ہے۔ بڑے بڑے جرموں
كَبِيْرَ الْجَرَائِمِ — کو سبک ظاہر کرتا ہے۔

يَقُوْلُ اَقِفُ عِنْدَ — کہتا ہے کہ میں شبہوں سے رک جاتا
الشُّبُهَاتِ وَفِيْهَا وَقَعَ وَ — ہوں مگر انہی میں پڑا ہوا ہے (دعویٰ کرتا
اَعْتَزِلُ الْبِدَعَ وَبَيْنَهَا اضْطَجَعَ — ہے کہ) میں بدعتوں سے دور رہتا ہوں
فَالصُّوْرَةُ صُوْرَةُ اِنْسَانٍ — مگر انہی پڑا ہوا ہے اس کی شکل وصورت
وَالْقَلْبُ قَلْبُ حَيْوَانٍ لَا — تو انسان کی سی ہے مگر دل حیوان کا ہے۔
يَعْرِفُ بَابَ الْهُدٰى فَيَتَّبِعَهُ — اسے ہدایت کا دروازہ معلوم ہے کہ اس
وَلَا بَابَ — کا رخ کر سکے اور نہ گمراہی کا۔

علما سوء کی خدمات کی فہرست تو بہت لمبی ہے۔ ان کے لئے مختصر یہ کہ یہ وہ بھٹکے لوگ ہیں۔ کہ

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

علامہ نے اپنے عقائد کو جس انداز سے بیان کیا اور فلسفہ اسلام کی صحیح تشریح پیش کی وہ عام راسخ العقیدہ ملاؤں اور فقہوں کے انداز سے الگ تھا اس سے بڑھ کر انداز ہم کو پیر رومی رح کے افکار میں نظر آتا ہے۔ یہ لوگ صرف ملاؤں سے ہی بیزار نہیں بلکہ سب سے زیادہ صوفیوں سے بیزار ہیں کیوں کہ خود ساختہ تصوف نے اسلام کی شکل کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور غلط رسومات کو دین کا جز بنا دیا تھا۔ اس لئے علامہ فرماتے ہیں

ملا کی شریعت فقط مستی گفتار
صوفی کی طریقت فقط مستی احوال
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ بے ذوق
افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

واقعی آج کے ترقی یافتہ معاشرے کو نہ مستی گفتار کی ضرورت ہے۔ نہ مستی احوال کی بلکہ مستی کردار کی ضرورت ہے۔ جس کے دامن سے ولایت و قلندری جنم لیتی ہے۔

ایک اور جگہ علامہ فرماتے ہیں۔

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوز مشتاقی
فسانہ ھائے کرامات رہ گئے باقی
کرے گی داور محشر کو شرمسار اک روز
کتاب صوفی و ملّا کی سادہ اُوراقی

کیوں کے بنیادی طور پہ ہماری یہ کتاب علم طریقت سے متعلق ہے۔ اور ہم تصوف کا آخری مفکر علامہ اقبال کو قرار دیتے ہیں پیر رومی رح علم تصوف

کا وہ چمکتا سورج ہیں۔ جنہیں خاتم ولایتؑ کی معرفت حاصل ہے اور جو ہم اہل طریقت کے قافلہ کے سالار ہیں۔

علامہ اپنی کتاب تاریخ تصوّف میں فرماتے ہیں۔

(۹) تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت قابلِ قدر ہے۔ کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفہ کا حصہ محض بے کار ہے۔ اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیم قرآن کے مخالف، اسی فلسفے نے متاخرین صوفیہ کی توجہ صور و اشکال غیبی کے مشاہدہ (کی) طرف کردی اور ان کا نصب العین محض ازدیا دیقین و استقامت ہے اخلاقی اور عملی اعتبار سے متصوفین اسلامیہ کی حکایات و مقولات کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ لیکن دین کی اصل حقیقت آئمہ اور علماء کی کتابیں پڑھنے سے ہی کھلتی ہے اور آج کل زمانے کا اقتضاء یہ ہے۔ کہ علم دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے عملی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا جائے۔ حضرات صوفیاء خود کہتے ہیں کہ شریعت ظاہر ہے اور تصوف باطن لیکن اس پر آشوب زمانے میں وہ ظاہر جس کا باطن تصوف ہے معرض خطر میں ہے۔ اگر ظاہر قائم نہ رہا تو اس کا باطن کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ مسلمانوں کی حالت آج بالکل ویسی ہے۔ جیسے کہ اسلامی فتوحاتِ ہندوستان کے وقت ہندوؤں کی تھی۔ یا ان فتوحات کے اثر سے ہوگئی۔

ہندو قوم کو اس انقلاب کے زمانے میں منو کی شریعت کی کورانہ تقلید نے موت سے بچالیا۔ اپنی شریعت کی حفاظت کی وجہ

(ب۹) تاریخ تصوف ۔ (ڈاکٹر اقبال)

سے ہی یہودی قوم اس وقت تک زندہ ہے ورنہ اگر فیلوؔ (پہلا یہودی)
متصوف قوم کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا تو آج یہ قوم دیگر اقوام میں جذب
ہو کر اپنی ہستی سے ہاتھ دھو چکی ہوتی۔

ایک اور جگہ علامہ فرماتے ہیں۔

(ب) "مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصہ
تک ایسے عقائد و مسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیاء کے ساتھ خاص ہیں
اور جو بعد میں قرآن شریف پہ تدبر کرنے میں قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے۔
مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی کا مسئلہ قدم ارواح کھلا الوجود یا مسئلہ
تنزلات ستہ یا دیگر مسائل جن میں بعض کا ذکر عبدالکریم الجیلی نے
اپنی کتاب "انسان کامل" میں کیا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں مسائل
میرے نزدیک مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ گو میں ان
کے ماننے والوں کو کافر نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ انہوں نے نیک نیتی سے
ان مسائل کا استنباط قرآن شریف سے کیا ہے۔ مسئلہ قدم ارواح
افلاطونی ہے۔ بوعلی سینا اور ابونصر فارابی دونوں اس کے قائل تھے۔
چنانچہ امام غزالی نے اس وجہ سے دونوں بزرگوں کی تکفیر کی ہے۔
تنزلات ستہ افلاطونیت جدید کے بانی پلوٹائنس کا تجویز کردہ ہے۔
میرا مذہب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نظام عالم میں جاری و ساری نہیں
بلکہ نظام عالم کا خالق ہے اور اس کی ربوبیت کی وجہ سے یہ نظام
قائم ہے جب وہ چاہے گا اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حکما کا مذہب
تو جو کچھ ہے۔ اس سے بحث نہیں رونا اس بات کا ہے کہ یہ مسئلہ
اسلامی لٹریچر کا ایک غیر منفک عنصر بن گیا ہے۔ اور اس کے ذمہ دار

تاریخ تصوف " محمد اقبال۔

زیادہ تر صوفی شاعر ہیں جو لپست اخلاق اس فلسفیانہ اصول سے بطور نتیجہ کے پیدا ہوتے ہیں۔ان کا بہترین گواہ فارسی زبان کا لٹریچر ہے فلسفیانہ اور مورخانہ اعتبار سے مجھے بعض ایسے مسائل سے اختلاف ہے جو حقیقت میں فلسفہ کے مسائل ہیں۔ مگر جن کو عام طور پر تصوف کے مسائل سمجھا جاتا ہے۔تصوف کے مقاصد سے مجھے کیونکر اختلاف ہو سکتا ہے کوئی مسلمان (ب) ہے جو ان لوگوں کو بُرا سمجھے جن کا نصب العین محبت رسول ہے اور جو اس ذریعہ سے ذات باری سے تعلق پیدا کر کے اپنے اور دوسروں کی ایمان کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں اگر میں تمام صوفیہ کا مخالف ہوتا تو مثنوی میں ان کی حکایات و مقولات سے استدلال نہ کرتا شاعرانہ اعتبار سے میں حافظ کو نہایت بلند پایہ سمجھتا ہوں۔ لیکن علمی اعتبار سے کسی شاعر کی قدر وقیمت کا اندازہ کرنے کے لئے کوئی معیار ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک معیار یہ ہے کہ اگر کسی شاعر کے اشعار اغراض زندگی میں ممد ہیں تو وہ شاعر اچھا ہے۔اگر اس کے اشعار زندگی کے منافی ہیں یا زندگی کی قوت کو کمزور یا پست کرنے کا میلان رکھتے ہیں تو وہ شاعر خصوصاً قومی اعتبار سے مضرت رساں ہے جو حالت خواجہ حافظ اپنے پڑھنے والوں کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ حالت افراد و قوم کے لئے جو اس زبان و مکان کی دنیا میں رہتے ہیں نہایت ہی خطرناک ہے؛؛

اس علمی بحث کی بازگشت علامہ کے کئی خطوط میں بھی سنائی دیتی ہے جو علامہ نے درج ذیل اصحاب کو لکھے۔

نیاز الدین خاں محررہ ۱۳ فروری ۱۹۱۶ء شائع شدہ مکتوبات بنام نیاز الدین خاں ص ۳

کشن پرشاد	محررہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۶ء	صحیفہ اقبال نمبر ۱۹۷۳ء ص ۱۶۵
〃	۱۰ مئی ۱۹۱۶ء	〃
〃	۲۴ جون ۱۹۱۶ء	〃
نیاز الدین خاں	۸ جولائی ۱۹۱۶ء	مکتوبات بنام نیاز الدین خاں ص ۲
سراج الدین پال	۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء	اقبال نامہ جلد اول ص ۴۴
〃	۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء	〃 〃 〃 ص ۴۸
نیاز الدین خاں	۱۱ ستمبر ۱۹۱۶ء	مکتوبات بنام نیاز الدین خاں ص
اکبر آلہ آبادی	۱۱ جون ۱۹۱۸ء	اقبال نامہ حصہ دوم ص ۵۴
〃	۲۰ جولائی ۱۹۱۸ء	〃 ص ۵۸

ان خطوط میں تصوف کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ زمانے کا اقتضا یہ ہے کہ اسلام کے عملی پہلوؤں کو وضاحت سے پیش کیا جائے۔

۲۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا اصل مرض قوائے حیات کی ناتوانی اور ضعف ہے جو خاص قسم کے لٹریچر کا نتیجہ ہے۔

۳۔ علمائے اسلام آج تک تصوف وجودیہ کے مخالف رہے ہیں اور انہوں نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی۔

۴۔ حقیقی اسلامی تصوف اور چیز ہے۔

۵۔ تصوف وجودیہ اسلام سے نہیں مذہب ہنود سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ ان کے لئے بھی مضر ثابت ہوا ہے۔

۶۔ اسلام سے پہلے ایرانی قوم میں یہ میلان موجود تھا۔ جیسے اسلام

نے کچھ عرصہ تک دبائے رکھا۔ لیکن وقت پاکر ایران کا یہ طبعی مذاق ظاہر ہوا اور ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدت الوجود تھی۔ ایرانی شعراء نے عجیب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید و تنسیخ کی۔ اگر اسلام افلاس کو برا کہتا ہے تو حکیم سنائی اسے اعلیٰ درجے کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو ضروری سمجھتا ہے اور ایران کے شعراء اس سے اور مطلب اخذ کرتے ہیں۔

۷۔ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے سیاسی انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی۔ ترک دنیا کے پردے میں تو میں اپنی سستی اور کاہلی کو اسی طرح چھپایا کرتی ہیں۔

۸۔ مذہب کا مقصود عمل ہے اور آج وہی قوم محفوظ رہ سکے گی۔ جو اپنی عملی روایات کی پابند ہو۔

۹۔ دنیائے اسلام کا احیاء توحید کے اصولوں کو اپنانے میں ہے۔

۱۰۔ اسلام کی دشمن سائنس نہیں یورپ کا علاقائی نیشنلزم کا تصور ہے۔

۱۱۔ حقیقی اسلام بے خودی، ذاتی میلانات، رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا اس طرح پابند ہوتا ہے کہ نتائج سے انسان بالکل لاپرواہ ہوجائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔

ان خطوط کے علاوہ علامہ نے تین اور مضامین بھی شائع کیے۔ پہلا مضمون "علم ظاہر و باطن" وکیل ۲۸ جون ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ دوسرا مضمون ۱۲ دسمبر ۱۹۱۶ء کے وکیل امرتسر میں تصوف وجودیہ کے عنوان سے اور تیسرا مضمون "اسلام اور تصوف" کے عنوان سے "نیو ایرا" کی اشاعت ۲۸ جولائی ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ یہ تمام مضامین

اب اس قلمی معرکے کی یاد کسے طور پر سید عبدالواحد معینی اور عبداللہ قریشی کی کتاب "مقالاتِ اقبال" میں شائع ہو چکے ہیں۔

اقبال کے فکر و تاثر پر بحث مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا فیصلہ نہ کیا جائے کہ تصوف کے متعلق علامہ کا کیا رویہ ہے۔ علامہ کے نزدیک صوفی خانقاہ پرست اور راہب نہیں ہے بلکہ صوفی ایک صاحبِ علم ظاہری و باطنی علوم کو جاننے والا اور جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے وہ دراصل تفسیر کائنات و فطرت نہیں بلکہ وہ مسخر موجودات ہے۔ جہاں اُس کی فکر میں آرزو و حق کی روشنیاں ہوں علم میں یقین واطمینان کی بلندی اور عمل اپنے لئے ہی صرف خیر کا ضامن نہ ہو۔ بلکہ دوسروں کے لئے خیرِ کثیر ہو۔ کیوں کہ شریعت لباس ہے طریقت جسم حقیقت روح معرفت ذات حق ہے۔ یا شریعت اتباع ہے طریقت انقطاع۔ حقیقت اصطلاح معرفت متاع یا شریعت بندگی طریقت ترک خودی۔ حقیقت وصال۔ معرفت کمال۔ شریعت فرمابرداری۔ طریقت غیر سے بیزاری حقیقت دوست سے برخورداری معرفت اپنے آپ سے ہوشیاری یا شریعت عنا۔ طریقت فنا حقیقت بقا۔ معرفت غنا شریعت اقوال وافعال۔ طریقت اخلاق واحوال۔ حقیقت صفات وذات۔ معرفت علم و یقین لیکن افسوس تصوف کو بھی ظاہر پرستوں نے بہت نقصان پہنچایا۔ اور اُس کی شکل بگاڑ کر رکھ دی۔

مولوی معنوی اپنے کلام میں جگہ جگہ ایسے صوفیوں کے خلاف دکھائی دیتے ہیں۔

۱ صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق

نیست فردا گفتن از شرط طریق

تو مگر مرد صوفی نیستی!

نقد را از نسیہ خیزد نیستی

حرف درویشاں بدزدیدہ بسے

تا گماں آید کہ ہست او خود کسے

زانکہ آں تقلید صوفی از طمع

عقل اُو بربست از نور و لُمَع

زانکہ صوفی از طمع بُردش ذراہ

ماند در خسراں و کارش شُد تباہ

طمع لوت و طمع آں ذوق و سماع

مانع آمد عقل او را از اصلاع

مولانا ان اشعار میں فرماتے ہیں جو اپنے آپ کو غیر حق سے محفوظ

دفتر اوّل حصہ اوّل ۹۴

دفتر دوم جلد پنجم

رکھے یعنی اپنے دل میں کوئی نفسانی وشیطانی خواہش کا خطرہ نہ آنے دے ہمیشہ عبادت و ریاضت میں جادہ شرع پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پر قائم رہے۔ (اصطلاحات صوفیہ) وہ صوفی کو نصیحت کرتے ہیں کہ اے دوست صوفی تو ابن الوقت (یعنی مقتضائے وقت کے موافق کام کرنے والا) ہوتا ہے۔ آج کا کام کل پر ڈالنا شرط طریقت نہیں لیکن شاید تو صوفی آدمی نہیں ٹال رہا ہے دھوکا دے رہا ہے۔ تجھے اتنا بھی معلوم نہیں نقد کو ادھار سے نقصان پہنچتا ہے۔ تو صرف بزرگان دین کے بہت سے ملفوظات چرا کر (یاد کرتا ہے) تاکہ لوگ تجھے باکمال آدمی سمجھنے لگیں کیوں یہ صوفی شکم پرست ہے اور مکار صوفیوں کی تقلید کرتا ہے اس کے عقل کا نور غائب ہے روشنی بند ہے۔ طمع و لالچ میں دوسرے صوفیوں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ دراصل طعام کی حرص ذوق سماع کی حرص اُن کی عقل کے لئے اطلاع پانے سے مانع ہوگئی ہے۔

مولانا کے ہی رنگ میں علامہ اقبال بھی ایسے صوفیوں کے بارے میں کہتے ہیں۔

واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست
(۹) اعتبار ملت بیضا شکست
واعظ ما چشم بر بتخانہ دوخت
مفتی دین مبین فتوےٰ فروخت

---

(۹) اسرار خودی ۷۰

چیست یاراں بعد ازیں تدبیرِ ما
رُخ سوئے میخانہ دارد پیرِ ما

(ب) نہ ملّا نہ صوفی نشینم
تو میدانی کہ من آنم نہ انیم
نویس اللہ بر لوحِ دلِ من
ہم خود را ہم اورا فاش بینم

علامہ ان اشعار کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ پیروں کی کیفیت کیا ہے یہ سمجھنا چاہیئے بال سفید ہو جانے کے باعث پیر کہلاتے ہیں اور اُن کی علمی و عملی حالت یہ ہے کہ گلی کوچوں کے لونڈے مزاق اُڑاتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں دیکھو تو نرگس کی آنکھوں کی طرح بے نور ہیں سینے دل کی دولت سے خالی ہیں یعنی نہ انھیں جسمانی صحت میسّر ہے نہ روحانی دولت ہمارے واعظوں کی آنکھیں بہت خانوں پر جمی ہوتی ہیں اور ہمارے دین فروش مفتی فتوی بیچ رہے ہیں۔ واعظ ہوں یا صوفی سب منصب کے بچاری ہیں ملت بیفا کی عزت و حرمت جاتی رہی دوستوں ہمارے پیر و مرشد نے تو شراب خانے کا رخ کر لیا ہے یعنی وہ راہ راست سے پھر گیا ہے ہم اس کے ارادتمند اور پیر ہیں سوچو بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ پھر ان صوفیوں اور مولویوں کو اسرار قلب و نظر کا کیا پتہ اور ہم خود ایسے باعمل بن جائیں اور ہمارے دل

اُس قندیل راہب کی طرح فروزاں ہو جائے کہ جس کی دھیمی دھیمی لو میں لامکاں نظر آجائے۔

اس کے ساتھ ہی علامہ نے صحیح تصوف کو اپنی شاعری کا بہترین سرمایہ بنایا اقبال نہ کسی فقیہہ کے مقلد اور معتقد ہوئے اور نہ کسی حکیم اور فلسفی کے استدلالی فلسفے نے اُن کو اطمینان بخشا اسلام کی تمام تاریخ میں اقبال نے رومی رح کو اپنا پیر قرار دیا ہے۔

علامہ نے کبھی اپنے آپ کو صوفی کوئی بہت بڑا ولی و قطب نہیں کہا اور مولوی معنوی نے بھی عام طور پر صوفیوں کی مذمت ہی کی ہے۔ جس طرح دین کے مدعی ظاہر پرست ملا حامیان شرع متین کہلانے کے باوجود دین کی روح سے بیگانہ تھے اس طرح جب تصوّف کا چرچا ہوا۔ اور اہل دل نے انسانوں کے دلوں پر قبضہ کیا تو دین کے مقلدوں کی طرح تصوف کے مقلدین بھی پیدا ہو گئے جو بولی تو صوفیہ ہی کی بولتے تھے اور ظاہری انداز بھی ویسا ہی بنا لیتے تھے لیکن در اصل تو ہم پرست اور اقتدار پسند تھے اور کشف و کرامات سے مریدوں پر رُعب جماتے تھے۔

جدید علوم کے حوالے سے جہاں علامہ گوئٹے، مارکس۔ برگساں سے متاثر تھے وہاں فرماتے ہیں کہ جب میں ہیگل کے فلسفوں میں کھو سا گیا۔ اور میری عقلِ تسلیمی کی کشتی ڈوبنے لگی تو ایک پیر یزدانی مولوی معنوی مجھے زمانے کے تلاطم سے نکالنے اور مواج لہروں کے گھراؤ سے آزاد کرانے آیا اُس بزرگ کا نام عارف رومی رح تھا۔

مرشد رومی رح کی مریدی نے علامہ کی شخصیت اُن کی فکر اُن کے

کلام کو مکمل طور پر متاثر کیا۔ کیوں کہ اقبال کو اپنا نظریہ حیات اور میلان طبع غیر معمولی بصیرت اور جوش کے ساتھ فقط رومی رح میں نظر آیا اگر رومی کا نظریہ فکر و عمل اور اُس کا عشق تصوف کہلا سکتا ہے تو اقبال کے صوفی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ہر صوفی کے نزدیک عشق شہادت کا طالب ضرور ہے۔ لیکن اس شہادت کا مقصد تسخیر فطرت ہونا چاہئے نہ کہ عالم کو حقیر سمجھ کر اس سے گریز کرے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم رح علامہ کے ہم عصروں میں سے تھے آپ اپنی کتاب فکر اقبال میں لکھتے ہیں کہ۔

" اقبال اس تصوف کو بے اثر سمجھتا ہے جو حق بینی اور عشق آفرینی کے بعد انسانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا نہ کرے چنانچہ جاوید نامے میں " زندہ رود " نے حلاج سے جو سوالات کیے ہیں اُن کے جواب میں حلاج کہا ہے کہ درویشی جو انقلاب آفرین نہیں ہے وہ کسی کام کی نہیں قلب کے اندر جو حق کا نقش پیدا ہوا اسے باہر جہاں پر مرتسم ہونا چاہیئے تاکہ مرد خدا کا دیدار حق دیدار عام ہو جائے۔"

نقش حق اول بجاں انداختن
بازاو را در جہاں انداختن
نقش جاں تا در جہاں گردد تمام
می شود دیدار حق دیدار عام

لیکن جہاں علامہ ابن رشد رح، نعمت اللہ ولی رح۔ ملا ھادی سبزواری رح علی ہجویری داتا گنج بخش اور مولوی معنوی کے معتقد

ہیں وہاں پر ابن عربی کے سخت مخالف بھی ہیں۔ کیوں اقبال محی الملت بھی ہیں۔ اپنی ملت کی حالت ہر جگہ اور ہر پہلو میں ناگفتہ بہ معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ صحیح نظریہ حیات پر اپنی ملت کا بھی احیا چاہتے ہیں اور تمام نوع انسان کا ارتقاء بھی جو اُن کے عقیدے کا ایک اساسی عنصر ہے اسی صورت میں ممکن ہے کہ قدامت پرستی اور تقلید کی نفی چاہتے ہوئے انہی راہوں پر انسان تحقیق اور حریت سے اپنی خودی کو استوار کرے۔ جو علم کے حقیقی مفہوم معنی سے آشنا ہو۔ عقیدوں اور روایتوں سے ہٹ کر انسانیت کا علمبردار بنے اور ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد ڈالے۔ کاش آج کا دور صحیح علم طریقت اور مفکر اسلام علامہ اقبال کی فکر کو سمجھنے لگے۔ تو یہ بات ممکن ہے کہ مسلمان قوم ایک مرتبہ پھر ترقی یافتہ قوم کہلائیگی اگر ایسا نہ ہوا تو مغربی تہذیب یافتہ افراد اور مغرب کے لوگ جیسے ماضی میں انھوں نے مسلمانوں کی تمام علمی دولت کو لوٹ لیا۔

اور ابن رشد کو اپنے قافلے کا سالار بنا یا کل کہیں مسلمانوں کہ چند بچے کھچے دانشوروں کا حشر بھی یہ نہ ہو۔

تیری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
تخیلات کی دنیا غریب ہے لیکن
غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا!

عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ تصوف میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔ صاحب شریعت و طریقت علماء کے روحانی پیشوا بھی ہیں۔

مولانا روم اپنی مثنوی کے دوسرے دفتر میں حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ لکھتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری رح ریاضتوں وعبادتوں کی کثرت اور عشق حقیقی اتنا آگے بڑھ گئے کہ اُن کے جنون عشق کی شورش بھی اس قدر بڑھ گئی کہ زمین سے لے کر آسمان کے اُوپر تک کی مخلوق کے کلیجوں پر اُس سے نمک پاش ہوتی تھی۔ مولوی معنوی اگلے شعر میں فرماتے ہیں خبردار اہل طریقت لوگوں تم اپنے عشق کا مقابلہ سب مل کر بھی ذوالنون مصری کے عشق سے نہیں کر سکتے اُس کے عشق کی آگ اتنی تیز ہے کہ تم گناہ گاروں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔

آگے مولوی معنوی فرماتے ہیں کہ ذوالنون کے علم وعشق کا مقابلہ اُن کے زمانے کے علماء نہ کر پائے بلکہ ذوالنون رح اُس زمانے کے ریا کار صوفیوں اور مولویوں کو سزا خود دیا کرتے تھے۔ اُن کے علم حکمت کی بلندی سے مکار علماء کی داڑھیاں جلنے لگیں تو حاکم وقت نے حضرت ذوالنون مصری رح کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ حق پرستوں کے اظہار حق کے اس جذبے کو عام مولوی نہیں روک سکھتے ایسے حق پرست صاحب علم لوگ ہمیشہ دین فروشوں سے بلند بالا رہتے ہیں۔

ان تمام واقعات کا اظہار مولانا نے مثنوی میں بڑے خوبصورت انداز میں کہا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں ۔

"این چنیں ذوالنون مصری را فتاد

کاندرو شور و جنونِ نو بزاد

شور چنداں شد کہ تا فوق فلک

می رسید ازوے جگر ہا را نمک

میں منہ تو شور خود اے شورہ خاک

پہلوئے شورِ خداوندِ پاک

خلق را تاب جنون او نبود

آتش او ریشہا شان مے بود

چونکہ در ریش عوام آتش فتاد

بند کردندش بزندان امراد

نیست امکاں واکشیدن ایں لجام

گرچہ زیں رہ تنگ مے آیند عام

دفتر دوم : حصہ دوم

مثنوی مولوی معنوی

اس موضوع کے خاتمہ پر ہم نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط

بعنوان

اسلام کا مطالعہ زمانہ حال

کی روشنی میں شائع کریں

علامہ اقبال نے یہ خط سید محمد سعید الدین جعفری کے نام لکھا تھا۔ وہ جالندھر کے رہنے والے تھے اور غالباً جج کے عہدے پر فائز تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ یوپی میں گزارا۔ علامہ اقبال سے انہیں بے حد عقیدت تھی۔ (محمد عبداللہ قریشی)

لاہور۔ ۱۴/ نومبر ۱۹۲۳ء

مکرمی۔ السلام علیکم

۱۔ ایشیا کے قدیم مذاہب کی طرح اسلام بھی زمانہ حال کی روشنی میں مطالعہ کئے جانے کا محتاج ہے۔ پرانے مفسرین قرآن اور دیگر اسلامی مصنفین نے بڑی خدمت کی ہے، مگر ان کی تصانیف میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو جدید دماغ کو اپیل نہ کریں گی۔ میری رائے میں بہ حیثیت مجموعی زمانہ حال کے مسلمانوں کو امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کی کتب زیادہ تر عربی میں ہیں مگر شاہ صاحب موصوف کی "حجۃ اللہ البالغہ" کا اردو ترجمہ بھی

۱۔ مقالات اقبال۔ سید عبدالواحد۔

ہو چکا ہے۔ حکماء میں ابن رشد اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ دیکھا جائے ــــ علیٰ ہذا القیاس غزالی اور رومی علیہم الرحمۃ مفسرین میں معتزلی نقطۂ خیال سے زمحشری، اشعری نقطۂ خیال سے رازی اور زبان و محاورہ کے اعتبار سے بیضاوی نئے تعلیم یافتہ مسلمان اگر عربی زبان میں اچھی دستگاہ پیدا کرلیں تو اسلام کے RE-INTERPRETATION میں بڑی مدد دے سکیں گے۔ میں نے اپنی تصانیف میں ایک حد تک یہی کام کرنے کی کوشش کی ہے۔ انشاء اللہ اس پر نثر میں بھی لکھوں گا۔

۲۔ الفاظ کے انتخاب میں لکھنے والا (شاعر) اپنی حس موسیقیت سے کام لیتا ہے۔ اور مضامین کے انتخاب میں اپنے فطری جذبات کی پیروی پہ مجبور ہوتا ہے۔ اس امر میں کسی دوسرے شخص کے مشورے پر خواہ وہ کتنا ہی نیک مشورہ کیوں نہ ہو، عمل نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے اعتراض کے متعلق یہ بھی عرض ہے کہ میرے نزدیک اسلام نوع انسان کی اقوام کو جغرافی حدود سے بالا تر کرنے اور نسل و قومیت کی مصنوعی مگر ارتقاء انسانی کے ابتدائی مراحل میں مقید امتیازات کو مٹانے کا ایک عملی ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اور مذاہب (یعنی مسیحیت، بدھ ازم وغیرہ) سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔ چونکہ اس وقت ملکی اور نسلی قومیت کی لہر یورپ سے ایشیا میں آرہی ہے اور میرے نزدیک انسان کے لئے یہ ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ اس واسطے بنی نوع انسان کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت اسلام کے اصلی حقائق اور اس کے حقیقی پیش نہاد پر زور دینا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں خالص اسلامی نقطۂ خیال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ ابتداء میں میں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے

دیکھا تھا لیکن تجربے اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی کر دی، اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی نظام ہے جس کو ہم ایک ناگزیر نوشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔ آپ PAN-ISLAM کو ایک پولٹیکل یا قومی تحریک تصور کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک طریق چند اقوام انسانی کو جمع کرنے اور ان کو ایک مرکز پر لانے کا ہے۔ اس غرض سے ایک مرکزی شہودی پر مجتمع ہو جانے اور ایک ہی قسم کے خیالات رکھنے اور سوچنے کے باعث یہ اقوام نسلی اور قومی اور ملکی امتیازات و تعصبات کی لعنت سے آزاد ہو جائیں۔ پس اسلام ایک قدم ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف۔ یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ پس جو کچھ میں اسلام کے متعلق لکھتا ہوں اس سے میری غرض محض خدمت بنی نوع ہے اور کچھ نہیں اور میرے نزدیک عملی نقطۂ خیال سے صرف اسلام ہی HUMANITARIAN IDEAL کو ACHIEVE کرنے کا ایک کارگر ذریعہ ہے۔ باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں خوشنما ضرور ہیں مگر ناقابل عمل۔ مجھے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خالص اسلامی حقائق پر لکھنے اور ان کو نمایاں کرنے سے ہندوستان کی اقوام میں باہمی عناد بڑھتا ہے۔ اس بات میں میں آپ سے متفق ہوں کہ مسلمانوں کو محبت کا طریق اختیار کرنا چاہئے۔ نبی کریمؐ کی حدیث ہے کہ مسلمان دنیا کے لئے سراپا شفقت ہے۔ مگر اس اخلاقی انقلاب کو حاصل کرنے کے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ اسلام اپنی اصلی روشنی میں پیش کیا جائے۔ میرا ذاتی طریق یہی ہے کہ میں دنیا کی تمام مذہبی تحریکوں کو ادب اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ گو یہ احترام مجھے ایسی تنقید سے باز نہیں رکھ سکتا جس کی بنا دیانت پر ہو اور جس میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہ ہو۔ غرض کہ میرا عقیدہ یہ ہے اور یہ عقیدہ محض خاندانی تربیت اور ماحول کے اثرات کا نتیجہ نہیں

بلکہ بیس سال کے نہایت آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ اس وقت اقوام انسانی کے لئے سب سے بڑی نعمت اسلام ہے اور جو شخص مسلمان کہلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ قومی تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ خالصتاً للہ اپنی زندگی میں ایک عملی انقلاب پیدا کرے اور اگر دماغی قوت رکھتا ہے تو اپنی بساط کے مطابق اسلام کے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرے تاکہ نوع انسانی قدیم توہمات سے نجات پائے۔ مسلمانوں کو تو سیاسیات سے پہلے اشاعت اسلام کا کام ضروری ہے تاہم دونوں کام ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔

منظر علی صاحب کے مذہبی عقائد کا حال سنکر مجھے کچھ تعجب نہیں ہوا کیونکہ NATIONALISM نے قریباً ہر ملک میں مذہب کو DISPLACE کیا ہے۔ لیکن الحمدللہ ان کے خیالات نے اس طرف پلٹا کھایا اور ان کو تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ چند مصنفین کے نام میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ میری رائے میں سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام اس بارے میں بہتر مشورہ دے سکیں گے۔

مجموعہ شائع کرنے کی فکر میں ہوں۔ انشاء اللہ ۱۹۲۳ء میں ضرور شائع ہو جائے گا۔ معلوم نہیں آپ کی سب باتوں کا جواب اس خط میں آیا ہے یا نہیں۔ میں نے آج تک اتنا طویل خط کسی کو نہیں لکھا اور نہ حقیقت میں ایسا کرنے کی فرصت ہے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص ۔۔ محمد اقبال

مقالات اقبال ۔ جناب سید عبدالواحد صاحب ۔

انسان کامل

اس عالم کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی تین صفات ہیں۔
ابداع ۔ یعنی عدم سے کسی چیز کا پیدا ہونا۔ اُس کے لیے شرط مادّہ ضروری نہیں ہے۔ خلق ۔ کسی مادہ سے کسی وجود کی جب تشکیل کی جائے لیکن سب سے ہم صفت جو اُس موضوعُ بحث کی بنیاد ہے وہ عالم موالید کی تدبیر کرنا۔ کیوں کہ نظام کائنات کے اندر ہر وجود کے لیے کچھ قدروں کو معین کر دیا گیا ہے۔ اور ہر وجود پر ہم لفظ خلق کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیکن اس عالم موجودات میں کچھ وجود ایسے بھی ہیں جن پر عالم موالید کی تدبیر کرنے کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب تشنہ و بیقرار زمین پانی کے ایک ایک قطرے کے لیے ترس جاتی ہے خاک کا ایک ایک ذرہ رطوبت و نمو کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔ کرۂ ارضی اپنی بے خودانہ حرکت میں آفتاب کے آتشکدے سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اُس کی تمام کائنات نباتات اپنا حسن وجمال فطری کھو دیتی ہے پرندے اپنے گھونسلوں میں ٹہنیاں درختوں میں اور انسان گھروں میں العطش العطش کا ماتم کرتے ہیں۔ اور ہر دم

آسمان کی گرم و خشک فضا کی طرف مایوس کی نگاہیں اُٹھتی ہیں اور جھک جاتی ہیں تو وہ اپنی محبت و ربوبیت کے نقاب میں آتا ہے اور مایوسی کے بعد اُمید کا نامرادی کے بعد مراد کا موت کے بعد زندگی کا پیام زمین کے ایک ایک ذرہ تک پہنچاتا ہے۔

یہی وہ تیسری عظیم صفت خدا تعالیٰ کی عالم موالید کی تدبیر کرنا ہے۔ اس تدبیر کا مقصد یہ ہے کہ تمام موالید میں جو چیزیں حادث ہوتی ہیں وہ سب ایک ایسے نظام کے موافق ہوں جو اس کے علم و حکمت میں پسندیدہ ہے۔ سب سے وہ مصلحت حاصل ہو جو فیض الہٰی کا مقتضاء ہے۔ جیسے کہ ابر سے مینہ نازل کرنا۔

یعنی بارش کے قطرے اگر ویران فصلوں پہ گریں تو وہ لہلہانے لگیں۔ صدف کے ہم آغوش ہوں یہ قطرے تو بیش بہا موتی کی شکل اختیار کر لیں۔ لیکن اگر کسی بنجر زمین کے دامن میں گریں تو جذب ہو کر رہ جائے۔

اس منزل پر کوئی تخصیص نہیں یہ تو مخلوقات کے ظرف کی بات ہے۔ کہ فصل کا ظرف یہ ہے کہ وہ لہلہانے لگے۔ کلی چٹک کر فضائے چمن میں مہکنے لگے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ نباتات، جمادات و حیوانات کے لئے کائنات کے بے شمار خزانے موجود ہیں۔ جو اُن کی مادّی پرورش کا باعث بنتے ہیں کبھی شمس و قمر کی صورت میں کبھی ہواؤں کے روپ میں اور حد تو یہ کہ آسمانوں پر سیاہی نمودار ہوئی بجلیاں چمکنے لگی اور رحمت برسنے لگی۔ آیا وہ کون سی منزل ہے۔ جب

سچائی کا درخت مرجھا جاتا ہے۔ نیکی کی کھیتاں سُوکھ جاتی ہیں، عدالت کا باغ ویران ہو جاتا خدا کے کلمہ حق وحدت کا شجرہ طیّبہ دنیا کے ہر گوشے اور ہر حصّے میں بے برگ و بار نظر آتا ہے۔ ہر طرف ظلمتوں کی تاریکیاں عقل کی عیاریاں ہوں جہالت کے طلاطم میں وہ وجود اعلیٰ جو صرف صفت حیوان سے اس لیے جدا ہے کہ اپنے دامن میں کچھ معروضات رکھتا ہے بحر تشدد کی مواج لہروں میں گھر جاتا ہے زندگی کی کشتی جب ڈوبتی نظر آتی ہے۔ روح نور اپنہ تڑپنے لگتی ہے۔ قلوب انسانی خون اُگلنے لگتا ہے۔ آسمان ہدایت کے ایک لاکھ چوبیس ہزار ستارے اپنی روشنی کھو دیتے ہیں۔ تو وہ رب عالمین اس منزل پر وشمس وضحیٰ کو کو بھیجتا ہے۔ یہ ہدایت عقلی بن کر عالم موالید کی تدبیر کی انتہا بن جاتا ہے علامہ فرماتے ہیں۔

خلق و تدبیر و ہدایت ابتدا است
رحمتہ العالمینی انتہا است

مولوی معنوی فرماتے ہیں۔

زاں سبب فرمود یزداں والضحیٰ
والضحیٰ نور ضمیر مصطفیٰ!

ہم فلسفہ قرآن کی روشنی میں فکر اقبال اور مولانا روم رح کے حوالے سے آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کے ایجابی پہلوؤں کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے کیوں کہ

آپ کی سیرت ہمارا مرکز ہے۔ آپ ہی منبع علم ہیں۔ اسی لیے آپؐ کی ذات ہٹ کر علمی گفتگو ہی بیکار رہے ہم اہل طریقت اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو افراد ابن آدم میں سے ایک فرد ہیں۔ اُس کے بندے اور اس کے بزرگ وبلند قدر نبیؐ و رسولؐ ہیں اُس کی منقش چادر اور اُس کے بزرگ قدر نقش جامہ اُس کی قدیم ترین مخلوق اُس کی نہایت درجہ کی راست وقدیم راہ، آئینہ ذات کے مظہر، اسما صفات کی جائے نہایت۔ انوار جبروت کے جائے نزول اسرار ملکوت کی منزل حقائق لاہوت کے جمع ہونے کی جگہ رموز ناسوت کا منبع۔ جبریلی روح کا پھونکنے والا میکائیلی راز کا بخشنے والا عزرائیلی قہر سے تیرنے والا اور اسرافیلی جمعیت کے بازو رکھنے والا رحمانیت لذات کا کا عرش۔ اسما صفات کی کرسی سدرۃ منتہیٰ۔ رمزف جو سب تختوں کی ایک سردار تخت ہے۔ ذرات وطبعیات کا مادہ الوہیات کا فلک اطلس۔ اوج ربوبیات کے برجوں کا منطقہ بلندیوں اور ترقیوں کے فخر کا آسماں۔ علم ودرایت کا آفتاب۔ کمال ونہایت کا ماہ کامل۔ ہدایت وبرگزیدگی کا ستارہ۔ حرارت ارادہ کی آگ۔ غیب شہادت کی زندگی کا پانی۔ رحمت وربوبیت کے سانس کی بادصبا زمین ذلت وعبودیت کی طینت سبع مثانی کا صاحب بلکہ اپنی حیثیت میں ام الکتاب۔

کنجیوں اور عزاب ونعیم کی جوڑہ جوڑا آیات کا مالک کمال کا مظہر جمال وجلال کا مقتضا یہ سب اُسی مکرم ومعظم رسولؐ کے

القاب ہیں۔
جو عالم علوی کی جہت سے احمدؐ کے نام سے۔
اور عالم سفلی کی جہت سے محمدؐ کے نام سے۔
اور رب ہونے کی جہت سے وہ اسم عزیز و ہدیٰ سے تعریف کیے جاتے ہیں۔

لیکن آج کے دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو صلبی پہلوؤں سے نکال کر اور شاعرانہ تخیلات سے ہٹ کے آپؐ کے ایجابی پہلوں کو اُجاگر کیا جائے جہاں آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے منور گوشوں کو سمجھنے کے لیے مجھے مولانا روم اور علامہ کے نظریات کو سمجھنا پڑا وہاں یہ کہنا بیجانہ ہوگا کہ علامہ سید سلیمان ندوی رح کے خطبات مدراس نے بھی بہت فیض پہچایا۔

علامہ سید سلیمان ندوی رح فرماتے ہیں۔

"آئیڈیل لائیف کا سب سے آخری معیار عملیت ہے عملیت سے (۱) مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو خود اُس کا ذاتی عمل نے اُس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو خوش سے خوش کُن فلسفہ دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے لیکن جو چیز ہر وقت پیش نہیں کر سکتا وہ عمل ہے۔ انسانی سیرت سے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل۔ اس نیک اور معصوم اقوال خیالات اور اخلاقی فلسفیانہ نظرئے نہیں بلکہ اُس کے اعمال

(۱) خطبات مدراس سید سلیمان ندوی رح

اور کارنامے ہیں۔

علامہ ندوی رح اس عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل کو ساتھ حصوں میں زیر بحث لائے ہیں۔

۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے اکرام اسلام کی سیرتوں سے ہوسکتی ہے۔

۲۔ عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

(ا) ۳۔ سیرت نبوی کا تاریخی پہلو۔

۴۔ سیرت نبوی کی کاملیت۔

۵۔ سیرت نبوی جامعیت۔

۶۔ سیرت نبوی کی عملیت۔

۷۔ اسلام کے پیغمبر کا پیغام

۸۔ ایمان اور عمل

اس کے علاوہ مولانا ابو کلام آزاد رح اپنے ایک مقالے میں (ب) فرماتے ہیں۔کہ" آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات سے انسانیت کی سعادت اور ارتقائے فطری کی تکمیل کیوں کر ہوئی"

لیکن افسوس آج مسلمان جس معاشرتی بے چینی کا شکار ہے۔ اور اُس کے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُس کے امام اور آج کے شیخ حرم اور پیشوا سیرت محمدیہ کے حقیقی اسرار و رموز سے ناواقف ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں۔

(ا) خطبات مدراس سید سلیمان ندوی رح (ب) مولانا ابو کلام آزاد بحوالہ رسول رحمت

اے روح محمدؐ

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

وہ لذت آشوب نہیں بحر عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے

ہر چند ہے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

علامہ فرماتے ہیں کہ" اپنی وجود خاک سے کیمیا پیدا کر اور کوئی انسان کامل ہو جس کے آستانے پر تو بوسہ دے یعنی انسانی خاک کی مٹھی اُس وقت اکسیر بنتی ہے جب اُسے کسی کامل انسان سے تربیت پانے کی سعادت نصیب ہوتی ہے تو بھی مولانا روم کی طرح اپنی شمع روشن کر اور روم کو اس طرح تبریز کی آگ سے جلا جس طرح پیر روم رح نے اپنا وجود باطنی شمس تبریزی رح کی نگا لطف سے سراپا سوز بنا لیا تھا۔ اے مسلمان تیرے دل میں بھی ایک محبوب چھپا ہوا ہے ۔ اگر تو چشم بصیرت رکھتا ہے تو آئیں

تجھے دکھا دوں وہ ایسا محبوب ہے کہ اُس سے عشق کرنے والے لوگ حسینوں سے زیادہ اعلیٰ زیادہ خوش وضع زیادہ زیبا زیادہ پیارے ہیں۔ وہ ایسا محبوب ہے جس کے عشق سے دل میں قوت و توانائی پیدا ہوتی ہے۔ اور خاک کا درجہ بلند ہوتے ہوئے ثریا کے برابر پہنچ جاتا ہے۔ نجد کی خاک اُسی محبوب کے فیض سے چُست و چالاک اور ہنرمند بن گئی اُس پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ آسمان پر جا پہنچی لے مسلمان کیا تو اُس محبوب سے واقف ہے جو تیرے دل میں چھُپا ہوا ہے یاد رکھ کہ تیرا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ ہے حضور ہی کا اسم گرامی ہمارے لیے عزت و آبرو کا سرمایہ ہے۔

طور کو اتنا بلند مانا جاتا ہے۔ لیکن انوار الٰہی کے لفظ نگاہ سے طور صلی اللہ علیہ وسلم کے غبار خانہ کی ایک موج ہے کعبہ کے لیے حضور کا شانہ خود حرمت والے گھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؐ نے اس دنیا میں نئے قانون اور نئے نظام کی بنیا د رکھی پہلی قوموں نے جو مسند بچھا رکھی تھی۔ اُن سب کو اُلٹ کر رکھ دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولا۔

یعنی آپ کو تمام دنیوی معاملات کی بنیاد و اساس بنایا حق یہ ہے کہ مادر زمانہ کے بطن سے حضور جیسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم حضورؐ کے نیاز مندوں کے لیے رحمت تھا اور قہر دشمنوں کے لئے رحمت تھا۔ اس لیے اُن کہ اُن کی تادیب منظور تھی تاکہ وہ سیدھے راستے پر

آجائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکت سے فائدہ اُٹھائیں" ان پاکیزہ اور جامع خیالات کا اظہار علامہ اقبال نے اسرار خودی میں ان اشعار کے ذریعے فرمایا۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے

بوسہ زن بر آستانِ کاملے

شمع خود را ہمچو رومی بر فروز

روم را در آتشِ تبریز سوز

ہست معشوقے نہاں اندر دلت

چشم اگر داری بیا بنمائمت

عاشقان او ز خوبان خوب تر

خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

دل ز عشق او توانا میشود

خاک ہمدوشِ ثریا میشود

خاکِ نجد از فیضِ او چالاک شُد

آمد اندر وجد بر افلاک شُد

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰؐ است

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

طور موجے از غبار خانہ اش

کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

در جہاں آئین نو آغاز کرد

مسند اقوام پیشیں در نورد

لطف و قہر و سراپا رحمتے

آں بیاراں ایں یا عدا رحمتے

یہی وہ مطلق و اعلیٰ خصوصیات ہیں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم آپؐ کی ذات مبارکہ پر اعتماد کلی رکھتے ہیں۔ کیوں کہ آپ کو وہ اختیار کُل حاصل ہے کہ جو لائے وہ لے لیں جس کو رد کر دیں اُس کو پوری خدائی رد کر دے آپؐ کی ذات وہ عظیم اتھارٹی اور اختیار کل رکھتی ہے۔ جس پر نہ زماں مکاں کا نہ دھور و اثور کا اثر ہو نہ گزرتے ہوئے اُوقات آپ کے پیغام کی تازگی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور ہر دور میں آپؐ کا پیغام تازہ رہے گا۔ کیوں یہ انسانیت کبری پر فائض ملت کے لئے حکمت صادقہ بن جاتا ہے۔ اس لئے سوچنے کا ہر راستہ جو ذات واجب کی طرف ہے مگر وہ قلب محمدؐ کی طرف جا رہا ہے۔

اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ سورہ النحل۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ "پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا تاکہ تم (بیان بن کر) لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہے۔ اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور فکر کریں۔"

یہ آیت مبارکہ جس طرح اُن منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا "ذکر" بشر کے ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے اُسی طرح آج یہ اُن منکرین حدیث کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح و توضیح کے بغیر صرف "ذکر" کو لے لینا چاہتے ہیں وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی نے تشریح و توضیح کچھ بھی نہیں کی تھی صرف ذکر پیش کر دیا تھا اُس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق ذکر ہے نہ کہ نبی کی تشریح یا اُس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف ذکر کافی ہے۔ نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ذکر ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے نبی کی تشریح

یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے غرض اُن چاروں باتوں میں جس بات کے بھی قائل ہوں اُن کا مسلک بہر حال قرآن کی اس ہی آیت سے ٹکراتا ہے۔

یعنی ذکر اٹھ رہا ہے اور میرے رسولؐ بیان بن کر اُس کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ نبی و بنا۔ ھادی والہدی، پیغامبر و پیغام ساتھ ساتھ ہیں یا تکوین کا کمال رسول اللہ تشریحی کا کمال قرآن پاک دو کمال ہم کو ایک مقام پر نظر آتے ہیں جس طرح تکوین کا عمل مسلسل ہے اسی طرح تشریحی عمل بھی مسلسل ہے۔ یعنی ہادی و ہدایت جب ملتے ہیں تو تشریحی کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ آپ کی منزل وہ منزل ہے جہاں قوت نظری کا کمال قوت عملی کا کمال اور قوت متخلیہ کو مسخر کرنا کیوں کہ پیغمبر کا کام تذکیہ و تطہیر ہے وہ بشیر و نذیر ہے۔ وہ داعی اور مزکر ہے۔ اس لیے اگر ہم ساری چیزیں چھوڑ کر صرف حیات طیبہ کا مطالعہ و تفکر میں لگ جائیں۔ تو معلوم ہوتا ہے علم و بصیرت کا اصل سرچشمہ صرف حیات نبوت اور منہاج مقام رسالت ہے جسے قران الحکیم نے الحکمۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرًا کثیرًا

کیونکہ دنیا میں حکمت صادقہ اس حکمت سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتی حکمت اپنی حیثیت میں خود منہاج سنت نبوت ہے یا علم و عمل کی ہر وہ بات جو اس سے ماخوذ اور صرف اس پر مبنی ہو یہی دراصل خیر کثیر ہے۔ مبدٔ۔ جمع و برکات ارض نوع ہے اور یہی ہدایت الہٰی

کی تکمیل شریعت ربانی کے ارتقاء کا مرتبہ اور سعادت بشری کا آخری پیام وراثت ارضی کی آخری بخشش۔ صرف اسی نسخہ شفا سے قلوب وروح کی سارے مرض دور ہو سکتے ہیں خواہ شکوک وارتیاب کی بیماری ہو خواہ اوہام انکار کی خواہ ادعائے ادویت کا ہیجان ہو خواہ حیرانی وسرگردانی لاادریت کا خمار ہو۔

علامہ فرماتے ہیں۔

بیا ساقی بگرداں جام مے را
دمے سوزندہ تر کن سوز نے را
دگر آں دل بنہ در سینۂ من
کہ ہیچم پنجہ کاؤس وکے را

یعنی اے ساقی یثرب آیئے اور جام مے عشق کو گردش دیجئے اور اس شراب سے میرے سوز نغمہ میں اضافہ کیجئے۔ میرے سینہ میں وہ دل رکھ دیجئے جس کی قوت میں کاؤس وکیقباد کا پنجہ مروڑ دوں اور میں آپ کے عشق کی شراب میں اس طرح مست ہو جاؤں کے پوری کائنات اپنے آپ کو تصور کرنے لگوں مولوی معنوی اپنی غزل میں کہتے ہیں آپ نور اللہ نور ہیں عشق کے قافلے کے سالار ہیں۔ دکھے دلوں کے غموں کو سننے والے ہیں۔ جس طرح آپ شراب عشق سے ہم کو سیراب کر رہے ہیں اور حیدر کرار ساقی کوثر بن کر ساتھ ہیں۔

مولوی معنوی رح

ای یار من ای یار من ای یار زنہار من

ای دلبر و دلدار من ای محرم و غمخوار من

ای در زمین مارا قمر ای نیمشب مارا سحر

ای در خطر مارا سپر ای ابر شکر بار من

(۱) خوش میروی در جان من خوش میکنی درمان من

ای دین و ای ایمان من ای بحر گوہر دار من

ای شب روانرا مشعلہ ای بی دلانرا سلسلہ

ای قبلۂ ہر قافلہ ای قافلہ سالار من

ہم رہزنی ہم رہبری ہم ماہی و ہم مشتری

ہم این سری ہم آن سری ہم گنج و اسنظہار من

چون یوسف پیغامبری آی کہ خواہم مشتری

تا آتشی اندر زنی در مصر و در بازار من

ہم موسی بر طور من عیسی ہر رنجور من

ہم نور نور نور من ہم احمد مختار من

مولانا روم رح بحوالہ کلیات شمس تبریزی

ہم مونس زندان من دولت خندان من

واللہ کہ صد چندان من بگذشتہ از بسیار من

گوئی مرا برجہ بگو گوئم چہ گوئم پیش تو

گوئی بیا حجت مجو ای بندۂ طرار من

گوئم کہ گنجی شایگان گو بدیلی نی رائیگان

جان خواہم وآنگہ چہ جان گوئم سبک کن بار من

گر گنج خواہی سر بنہ در عشق خواہی جان بدہ

در صف درآ واپس مجہ ای حیدر کرار من

" فلسفۂ عشق " کے باب میں ہم تفصیلی طور پر تشریح عشق اور اُس کی مختلف کیفیات کا علم طریقت اور فلسفۂ قرآن کے حوالے سے جائزہ لیں گے ۔

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ جو انسان کامل بن کر اس کائنات میں آئی کسی مخصوص قوم یا قبیلہ کی اصلاح کے لئے نہیں اور نہ اس ذات بابرکت کی پہچان کوئی محدود ملک بنا۔ بلکہ سورہ ابراہیم میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے ۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

ترجمہ: آ ل ر ۔ اے محمدؐ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا تاکہ تم انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

ترجمہ: ہم اس سے پہلے موسیٰؑ کو بھی نشانیوں کے ساتھ بھیج چکے ہیں اسے بھی ہم نے حکم دیا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔

سورہ ابراہیم کی ان دو آیت مبارکہ سے بات مکمل طور پر واضح ہوگئی. جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا تو لفظ انسان استعمال کیا گیا اور جب حضرت موسیٰؑ سے خطاب ہوا تو لفظ قوم استعمال کیا گیا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ انسانوں کو اندھیرے سے اُجالے کی طرف لے کر آئیں موسیٰؑ تم قوم کو اندھیرے سے اُجالے کی طرف لے کر آؤ۔

اسی لئے سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

ترجمہ:۔ درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کہ اُن کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبرؐ اٹھایا جو اُس کی آیات انھیں سناتا ہے۔ اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے۔ اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے" تھے۔

امام فخرالدین الرازی تفسیر کبیر میں آیت مبارکہ کے مفہوم، منطوق کو مدنظر رکھتے ہوئے مکمل اور جامع تشریح فرماتے ہیں موضوع کو آگے بڑھانے سے قبل یہ ضروری سمجھا گیا ان آیت مبارکہ کی تفسیر کو مکمل طور پر بیان کیا جائے تاکہ علامہ اور مولوی معنوی کی فکر سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

اس لئے اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ہم تفسیر کبیر کا کچھ

خلاصہ پیش کرتے ہیں ۔

أن بعثة الرسول احسان الی کل العالمین، وذلك لأن وجه الاحسان فی بعثة کونه داعیا لهم الی ما یخلصهم من عقاب الله ویوصلهم الی ثواب الله، وهذا عام فی حق العالمین لأنه مبعوث الی کل العالمین، کما قال تعالیٰ (وما أرسلناك الا کافة للناس) إلا أنه لما لم ینتفع بهذا الانعام الا أهل الاسلام، فلهذا التأویل خص تعالی هذه المنة بالمؤمنین، ونظیره قوله تعالی (هدی للمتقین) مع أنه هدی للکل، کما قال (هدی للناس) وقوله (إنما أنت منذر من یخشاها)

(المسألة الثالثة) اعلم ان بعثة الرسول احسان من الله الی الخلق ثم انه لما کان الانتفاع بالرسول اکثر کان وجه الانعام فی بعثة الرسل اکثر وبعثة محمد صلی الله علیه وسلم کانت مشتملة علی الامرین: احدهما: المنافع الحاصلة من اصل البعثة والثانی: المنافع الحاصلة بسبب مافیه من الخصال التی ما کانت موجودة فی غیره۔

اما المنفعة بسبب اصل فهی التی ذکرها الله تعالیٰ فی قوله (رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل) قال ابوعبد الله الحلیمی: وجه الانتفاع ببعثة الرسل لیس الا فی طریق الدین وهو من وجوه: الأول: ان الخلق جبلوا علی النقصان وقلة الفهم وعدم الدرایة، فهو صلوات الله علیه اورد علیهم وجوه الدلائل ونقحها، وکلما خطر ببالهم شك أو شبهة ازالها واجاب عنها۔ والثانی: ان الخلق وان کانوا یعلمون انه لا بد لهم من خدمة مولاهم ولکنهم ما کانوا عارفین بکیفیة تلك الخدمة، فهو شرح تلك الکیفیة

لهم حتى يقدموا على الخدمة آمنين من الغلط ومن الاقدام على مالا ينبغي - والثالث : أن الخلق جبلوا على الكسل والغفلة والتوانى والملالة فهو يورد عليهم أنواع الترغيبات والترهيبات حتى انه كلما عرض لهم كسل اوفتور نشطهم للطاعة ورغبهم فيها الرابع : ان انوار عقول الخلق تجرى مجرى انوار البصر، ومعلوم ان الانتفاع بنور البصر لا يكمل الا عند سطوع نور الشمس ، ونوره عقلى إلهى يجرى مجرى طلوع الشمس ، فيقوى العقول بنور عقله ويظهر لهم من لوائح الغيب ماكان مستترا عنهم قبل ظهوره ، فهذا إشارة حقيقية إلى فوائد اصل البعثة -

قوله (ويعلمهم الكتاب) والمراد انه يامرهم بتلاوة الكتاب ويعلمهم معانى الكتاب وحقائقه ، وذلك لأن التلاوة مطلوبة لوجوه : منها بقاء لفظها على السنة اهل التراتر فيبقى مصونا عن التحريف والتصحيف ومنها ان يكون لفظه ونظمه معجز المحمد صلى الله عليه وسلم ، ومنها ان يكون فى تلاوته نوع عبادة وطاعة ، ومنها ان تكون قراءته فى الصلوات وسائر العبادات نوع عبادة ، فهذا حكم التلاوة الا ان الحكمة العظمى والمقصود الاشرف تعليم ما فيه من الدلائل والأحكام ، فان الله تعالى وصف القرآن بكونه هدى ونور الما فيه من المعانى والحكم والأسرار ، فلما ذكر الله تعالى اولا امر التلاوة ذكر بعده تعليم حقائقه واسراره فقال (ويعلمهم الكتاب)

(الصفة الثالثة) من صفات الرسول صلى الله عليه وسلم قوله (والحكمة اى يعلمهم الحكمة ، واعلم ان الحكمة هى : الاصابة فى القول والعمل ، ولا يسمى حكيما الا من اجتمع له الأمران وقيل : اصلها من

احكمت الشئ اى رددته فكأن الحكمه هى التى تردعن الجهل والخطأ وذلك إنما يكون بما ذكرنا من الاصابة فى القول والفعل ووضع كل شىء موضعه - قال القفال : وعبر بعض الفلاسفة عن الحكمة بأنها التشبه بالاله بقدر الطاقة البشرية - واختلف المفسرون فى المراد بالحكمة ههنا على وجوه (احدها) قال ابن وهب قلت لمالك : ما الحكمة ؟ قال معرفة الدين والفقة فيه ، والاتباع له (وثانيها) قال الشافعى رضى الله عنه : الحكمة سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو قول قتادة ، قال اصحاب الشافعى رضى الله عنه : والدليل عليه انه تعالى ذكر تلاوة الكتاب اولا وتعليمه ثانياً ثم عطف عليه الحكمه فوجب ان يكون المراد من الحكمة شيئاً خارجا عن الكتاب ، وليس ذلك الا سنة الرسول عليه السلام ، فان قيل : لم يجوز حمله على تعليم الدلائل العقلية على التوحيد والعدل والنبوة ؟ قلنا : لان العقول مستقبلة بذلك فحمل هذا اللفظ على مالا يستفاد من الشرع اولى (وثالثها) الحكمة هى الفصل بين الحق والباطل ، وهو مصدر بمعنى الحكم كالقعدة والجلسة ، والمعنى : يعلمهم كتابك الذى تنزله عليهم وفصل انضيتك واحكامك التى تعلمه اياها ، ومثال هذا : الخبر والخبرة ، والعذر والعذرة ، والغل والغلة ، والذل والذلة (ورابعها) ويعلمهم الكتاب اراد به الآيات والحكمة (والحكمة) اراد بها الآيات المتشابهات (وخامسها) (يعلمهم الكتاب) اى يعلمهم ما فيه من الأحكام (والحكمة) اراد بها انه يعلمهم حكمة تلك الشرائع وما فيها من وجوه المصالح والمنافع ، ومن الناس من قال :

الكل صفات الكتاب كأنه تعالى وصفه بانه آيات ، وبأنه كتاب ، وبأنه حكمة (الصفة الرابعة) من صفات الرسول الله صلى الله عليه وسلم قوله (ويزكيهم) واعلم ان كمال حال الانسان فى امرين (احدهما) ان يعرف الحق لذاته (والثانى) ان يعرف الخير لأجل العمل به ، فان اخل بشىء من هذين الامرين لم يكن طاهرا عن الرذائل والنقائص ولم يكن زكيا عنها ، فلما ذكر صفات الفضل والكمال اردفها بذكر التزكية عن الرذائل والنقائص ، ولم يكن زكيا عنها ، فلما ذكر صفات الفضل والكمال اردفها بذكر التزكية عن الرذائل والنقائص فقال (ويزكيهم) واعلم ان الرسول لاقدرة له على التصرف فى بواطن المكلفين ، وبتقدير ان تحصل له هذه القدرة لكنه لا يتصرف فيها والا لكان ذلك الزكاء حاصلا فيهم على سبيل الجبر لا على سبيل الاختيار فاذن هذه التذكية لها تفسيران (الأول) ما يفعله سوى التلاوة وتعليم الكتاب والحكمة ، حتى يكون ذلك كالسبب لطهارتهم وتلك الأمور ما كان يفعله عليه السلام من الوعد والايعاد ، والوعظ والتذكير ، وتكرير ذلك عليهم ومن التشبث بامور الدنيا الى ان يؤمنوا ويصلحوا ، فقد كان عليه السلام يفعل من هذا الجنس اشياء كثيرة ليقوى بها دواعيهم الى الايمان والعمل الصالح ولذلك مدحه تعالى بانه على خلق عظيم وانه اوتى مكارم الاخلاق (الثانى) يزكيهم ، يشهد لهم بانهم ازكياء يوم القيامة اذا شهد على كل نفس بما كسبت كتزكية المزكى الشهود ، والاول اجود لأنه ادخل فى مشاكله مراده بالدعاء لأن مراده ان يتكامل لهذه الذرية الفوز بالجنة وذلك لا يتم الا بتعليم الكتاب والحكمة ، ثم بالترغيب الشديد فى العمل والترهيب

عن الاخلال بالعمل وهو التزكية هذا هو الكلام الملخص فى هذا الاية وللمفسرين فيه عبارات (احدها) قال الحسن: يزكيهم يطهرهم من شركهم ودلت الاية على انه سيكون فى ذرية اسماعيل جهال لاحكمة فيهم ولاكتاب وان الشرك ينجسهم وانه تعالى يبعث فيهم رسولا منهم يطهرهم ويجعلهم حكماء الارض بعد جهلهم (وثانيها) التزكية هى الطاعة الله والاخلاص عن ابن عباس (وثالثها) ويزكيهم عن الشرك وسائر الارجاس كقوله (ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث) واعلم انه عليه السلام لما ذكر هذه الدعوات ختمها بالثناء على الله تعالى فقال (انك انت العزيز الحكيم) والعزيز:

(يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة)

واعلم ان كمال حال الانسان فى امرين: فى ان يعرف الحق لذاته والخير لاجل العمل به وبعبارة أخرى: للنفس الانسانية قوتان نظرية وعملية والله تعالى انزل الكتاب على محمد عليه السلام ليكون سببا لتكميل الخلق فى هاتين القوتين فقوله (يتلو عليهم آياته) اشارة الى كونه مبلغا لذلك الذى من عند الله الخلق وقوله (ويزكيهم) اشارة الى تكميل القوة النظرية بحصول المعارف الالهية (والكتاب) اشار الى معرفة التاويل وبعبارة اخرى (الكتاب) اشارة الى ظواهر الشريعة (والحكمة) اشارة الى محاسن الشريعة واسرارها وعللها ومنافعها ثم بين تعالى ماتتكمل به هذه النعمة وهو انهم كانوا من قبل فى ضلال مبين لأن النعمة إذا وردت بعد المحنة كان توقعها اعظم فاذا كان وجه النعمة العلم والاعلام وورد اعقيب الجهل والذهاب عن الدين كان اعظم ونظيره قوله (ووجدك ضالا فهدى)

جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا تھا کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ پہ دراصل عالم موالید کی تدبیر کرنے کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیوں کہ آپ ہدایت انسانی ہدایت عقلی ہدایت متقین بن کر اس کائنات میں آئے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی نعمت کو پرزور الفاظ میں لفظ احسان سے مخاطب نہیں کیا مگر آپؐ کی ذات بابرکت کو احسان العالمین ورحمتہ العالمین کہا۔ کیوں کہ آپ وہ عقل اوّل ہیں جو انوار عقلوں کی خالق ہے۔ لیکن اس منزل پہ کچھ متضاد مسائل جنم لیتے ہیں۔ کہ آپؐ فرماتے ہیں۔ اوّل چیز خدا نے عقل پیدا کی۔ سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔

سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ منطق کے اعتبار سے بظاہر تضاد نظر آتا ہے مگر مفہوم کے حوالے سے یہ ایک ہی وجود نورانیہ کی صفات اعلیٰ ہیں۔ کیوں کہ آپؐ کا وجود " الحکمت ہے" جو صاحب حکمت ہوگا وہ ہی تعلیم حکمت دے سکتا ہے (فلسفہ حکمت میں دلائل عقلیہ، توحید کا فلسفہ عدل و نبوت شامل ہیں) اور دوسرے معاشرتی علوم بھی۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کتاب کی تعلیم دیتے ہیں اور قرآن پاک اس کی گواہی دے رہا ہے میرا حبیب میری آیات مبارکہ کی تشریح کرے گا یہ تشریح متشابہات و محکمات کی تشریح بھی ہو سکتی ہے اس علاوہ کتاب الٰہی کی تشریح ایسا ہی وجود کرسکتا ہے جو اپنی حیثیت میں خود علم ہو۔ فرقان ہو۔ اس کے علاوہ تطہیر قلوب ایسا ہی وجود کرسکتا ہے۔ جو مجسم تطہیر ہو اور نور الہ نور ہو۔

اس لئے وہ قوت نظری کا کمال رکھتا ہو اور قوت عملی کا بھی قوت نظری کا کمال یہ ہے کہ حقائق اشیا اُس کو صحیح علم ہو قوت عملی کا کمال یہ نفس میں ایسا ملکہ ہو کہ جو کام بھی کرے یا اُس کی ہر حرکت احکام خداوند کے عین مطابق ہو۔

اس منزل پر یہ وجود نفوس انسانیہ کا علاج کرتا ہے۔

پھر ہر شخص دستور العمل و ضابطہ نہیں بنا سکتا جو تمام بنی نوع انسان کے مناسب حال اور ہر ہر شخص کی ضروریات کا کفیل ہو۔ ایسا ضابطہ وہ شخص ہی وضع کر سکتا ہے جس کو قوت قدسیہ حاصل ہو۔ جس کو اُن روحانیات سے فیض پہنچتا ہو جن کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے۔ یہ وجود ہی رموز مذہب سے آگاہ ہوتا ہے۔ ہر شخص سے اُس کی سمجھ کے موافق خطاب کرتا ہے۔ نفسیات انسانیہ پر عبور رکھتا ہے۔ ان تمام صفات اعلیٰ کا مظہر آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اسی لیے ایسے اعلیٰ ترین ذات کی متابعت کو اللہ نے اپنی اطاعت کے ساتھ لازم و ملزوم کر دیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ

علامہ رموز بیخودی میں ملت اسلامیہ کے حضور میں پیش کش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال کی پوری زندگی عشق رسول میں فنا ہو چکی تھی انھوں نے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے دل اپنی محبت اپنے اخلاص اور اپنی وفا کی نذر پیش کی اور آپ کو مخاطب کر کے اپنے جذبات واحساسات اپنی ملت اور اپنے معاشرہ کی دل گداز تصویر کھینچ کر رکھ دی ایسے مواقع پر اُن کی شاعری کے جوہر خوب کھلتے تھے اور معانی کے سوتے پھوٹ پڑتے تھے وہ حقائق جن زمام مضبوطی سے انہوں نے گرفت میں رکھی تھی اس وقت بے حجاب وبے نقاب ہو کر سامنے آتے اور اپنا خوب رنگ دکھاتے ہیں۔

پیش کش بحضور ملت اسلامیہ

اے ترا حق خاتم اقوام کرد
بر تو ہر آغاز انجام کرد

اے مثال انبیاء پا کان تو
ہمگر دلہا جگر چا کان تو

اے نظر بر حُسن ترسازادۂ
اے ز راہ کعبہ دور افتادۂ

اے فلک مشتِ غبار کوئے تو
اے تماشاگاہ عالم روئے تو

ہمچو موج آتش تہ پا میردی
تو کجا بہر تماشا میروی

رمز سوز آموز از پروانۂ
در شرر تعمیر کن کاشانۂ

طرح عشق انداز اندر جان خویش
تازہ کن با مصطفیٰؐ پیمان خویش

ذانکہ تو محبوب یار ماستی
ہمچو دل اندر کنار ماستی

عشق تا طرح فغاں در سینہ ریخت
آتش او از دلم آئینہ ریخت

از پئے قوم ز خود نا محرمے
خواستم از حق حیات محکمے

در سکوت نیم شب نالاں بدم
عالم اندر خواب و من گریاں بدم

علامہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی قوم کے لیے جو اپنی حقیقت ذات سے ناآشنا ہے۔ اُس کے لیے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس کی دائمی ابدی زندگی کی التجا کر رہا ہوں میں نے راتیں رو کر گزار دیں

میرے پاس آہ فضاں کا ایک پھول تھا۔ اے ملت اسلامیہ میں وہ پھول تیری دستار میں رکھ رہا ہوں حشر بپا کر رہا ہوں تاکہ توگہری نیند سے بیزار ہو جائے۔ تیری خاک کے دامن سے لالہ زار اُگے اور تیری سانس باد بہار بن جائے۔ اے ملت اسلامیہ! جس طرح تیرے رسول خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے آخری نبی تھے اسی طرح تو قوموں کی خاتم ہے۔ تیرے پاک باز پاک باطن لوگوں کو اُن لوگوں سے مماثلت حاصل ہے جو پہلی قوموں کے انبیاء کو حاصل تھی تیرے جن بزرگوں کے جگر عشق حق کی وجہ سے چاک چاک ہیں وہ دلوں کے زخم رفو کر دیتے ہیں۔

اے میری ملت تیری نگاہیں تو نصرانیوں اور گوروں کے حسن پر جمی ہوئی ہیں تو کعبے کے راستے سے دور چلی گئی ہے تو اپنے حقیقی اور صحیح مرکز سے ہٹ گئی۔ یہ آسمان تیرے کوچے کے گرد و غبار کی ایک مٹھی ہے اور تیرے چہرے کے حسن کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی نگاہیں اسی پر جمی ہوتی ہیں۔ لیکن تیری کیفیت یہ ہے کہ تو موج کی طرح بے قرار و بے چین ہو کر غلط راستے کی طرف جا نکلی ہے میں پوچھتا ہوں تجھ سے تیرا یہ جنوں یہ شوق تجھے کدھر لیے جا رہا ہے۔ تجھے چاہیئے کہ پروانے سے سوز کے راز سیکھے اور چنگاریوں میں گھر بنائے۔

اپنی جان کے اندر عشق کا انداز پیدا کر اور رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم سے پھر نیاز و وفا باندھ لے مولوی معنوی ملت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شان رسالت یہ ہے کہ۔

آں دے کز آسماں نہا برتر است
آں دل ابدال یا پیغمبر است

پاک گشتہ آں زگل صافی شدہ
در مزو فی آمدہ وافی شدہ

اتحاد حالی از شرک و دوئی
باشد از توحید نے ماو توئی

کہنائے کہنہ شان از مصطفےٰؐ
محو شد در نور اسلام صفا

وزدم المومنوں اخوۃ بہ بند
در شکستہ و تن واحد شدند

سر کند گوشش محمدؐ در سخن
کش بگوید در بنے حق ہو آذن

سربسر گوش ست و چشم ست آں نبی
رحمت او مرضع ست و ما صبی
د آنکہ یا یر بوئے رحمت از یمن
چوں نیابد بوئے طا طل راز من

وہ قلب جو تمام عالموں سے بالاتر ہے۔ وہ پیغمبر کا قلب ہے۔ وہ اتنا اعلیٰ و پاک ہے۔ کہ دنیا کی گرد و مٹی اُس تک پہنچ نہیں سکتی وہ منزل کمال تک پہنچ گیا ہے۔

اے لوگوں جاؤ اتحاد اشتراک سے پاک ہو غلبہ توحید حاصل کرو جو لوگ صحیح ملت بن کر سامنے آئے وہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و محبت کی برکت سے اسلام کے نور صفا میں فنا ہو گئے اور پھر یہ مومنین اخوۃ کے حکم سے ترقی کر کے اُس مقام تک پہنچے کہ اپنی شخصیت کی قید بند کو توڑ ڈالا اور یک تن ہو گئے۔

آج بھی اے ملت اسلامیہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت و نظر کا کیا کہنا۔ یہ وہ چشم سماعت یہ جو کائنات کے ذرہ ذرہ کی تسبیح و حرکت کے بغور دیکھ رہی ہے۔ یہ وہ وجود رحمٰن ہے۔ جس سے یمن سے ایمان کی خوشبو کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ تمہارے ہر اچھے اور بُرے عمل سے مکمل طور پر باخبر ہے۔

مثنوی کے ان اشعار کے علاوہ مولوی معنوی اپنی ایک غزل میں کہتے ہیں۔

د مولانا روم رح

(ل) ہذا رشاد الکافرین ہذا جزاء الصابرین
ہذا معاد الغابرین نعم الرجا نعم المعین
صد آفتاب از تو خجل او خوشہ چین تو مشتعل
نعرہ زنان در سینہ دل استدر کوا عین الیقین
آزآسمان در ہر غذا از علویان آید ندا
کای روح پاک مقتدا یا رحمۃ للعالمین
حبس حقایق را دری باغ شقایق را تری
ہم از دقایق مخبری پیش از ظہور یوم دین
ای دل ز دیدہ دام کن دیدہ نداری وام کن
ای جان تفیر عام کن تا بر جہی زین آب و طین
ای جان تو یاری لمتری شیر جہاد اکبری
باید کہ صفا بر دری و آئی بر آن قعلۂ حصین
ہان ای حبیب و ای محب بشنو صلا و فا مستحب
گر گشت جانان محتجب جان می رود نیکوش بین

گفتست جان ذوفنون چون غرقہ شد در بحر خون

یالیت قومی یعلمون کہ یا کیا تم ہمنشین

سیلم سوی دریا روم روحم سوی بالا روم

لعلم بگو ہرہا روم یا تاج یا شم یا نگین

ہر کس کمیابد این رشد زان قند ہی حداو چیشد

مانند موسی برکشد از خارہ او ماء معین

چون مست گشتم برجہم بر رخش دل زین برنہم

زیرا کہ مشتاق شہم آن ماہ از مہھا ہسین

گفتن رہا کن ای پدر گفتن حجابست از نظر

گر می خوری زان می بخور ور می گزینی زان گزین

الصعت اولی بالرصد فی النطق تہییج العدد

جاء المدد جاء المدد استنصروا یا مسلمین!

مستفعلن مستفعلن یا سیدا یا اقربا!

فی نشونا ا ومشینا من قریہ العرق الوتین

علامہ فرماتے ہیں۔

(ب) ہر کجا بینی جہان رنگ و بود

آں کہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نور مصطفےٰ[ا] او را بہاست

یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ[ا] است

ہر کجا ہنگامہ عالم بود

رحمتہ للعالمین ہم بود

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست

رحمتہ للعالمینی انتہاست

جاوید نامہ میں علامہ حلاج منصور سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ہم
تو جہانِ رنگ بو کا مشاہدہ کرتے ہیں اس موجودات کائنات کا
جس کی خاک سے آرزو و محبت جنم لیتی ہے۔ یعنی اس جہانِ عالم کی قدر و
قیمت صرف نور مصطفیٰ کی موجودگی کی وجہ سے ہے۔ یا ابھی یہ
جہاں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں ہے الغرض

(ا) کلیات شمس تبریزی

(ب) جاوید نامہ

جہاں کہیں بھی ہنگامہ عالم دکھائی دے گا۔ وہاں رحمۃ للعالمینی بھی لازمی طور پر موجود ہوگی۔ (کیوں کہ جیسا کہ پہلے ہم نے علامہ کے حوالے سے لکھا کہ) خلق، تقدیر اور ہدایت صفت الٰہی کی ابتدا ہے۔ لیکن مرتبہ رحمۃ للعالمین ؐ اس کی غایتِ انتہا ہے۔

(د) مولوی معنوی کی غزلیات میں مثنوی سے ہٹ کر ایک الگ رنگ پایا جاتا ہے۔ جس میں مستی عشق اور بے خودی کا ایک عالم عیاں نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عالم ملکوت سے رزق معنوی اُتر رہا ہے میرا قلب عین الیقین ہو گیا کیوں کہ قلب سے آواز اُٹھ رہی یا رحمت العالمین آپ کی بادشاہت روم اور دوسری سلطنتوں سے بہت بالا اور وسیع ہے۔ اور ہم اہل طریقت آپ سے وہ والہانہ عشق رکھتے ہیں کہ ہم اُس دن کے منتظر ہیں۔ جس دن آپ کا ظہور ہوگا ہم لوگ آپ کا دیدار کریں گے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ

مسلماں آں فقیر کج کلاہ
رمید از سینہ او سوز آہے
دلش نالد چرا نالد؟ نداند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

مسلماں روایت پرست بن گیا ہے جس کے سینے سے اب سوز آہ رخصت ہو چکی ہے۔ اُس کا دل روتا ہے اور کیوں

روتا ہے یہ وہ خود بھی نہیں جانتا یا رسول اللہ! ایسے حال میں اُس بیچارے پر ایک نگاہ لطف و کرم فرما دیجئے۔

ہر کہ عشق مصطفےٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشہ دامان اوست

از سپہر بارگاہست یک جہاں وافر نصیب
جلوہ داری دریغ از واری بنائے من

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من

علامہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کا ساز سامان صرف عشق مصطفیٰ ہے بحر و بر اُس کے گوشہ دامن میں پوشیدہ ہیں اے رسول آسمانِ بارگاہ سے مجھے ایک اور دنیا نصیب کر کیا تو میری وادی سینا سے اپنی تجلی کو چھپا رہا ہے۔

خدا سے تو میں در پردہ باتیں کرتا ہوں لیکن تجھ سے کھلم کھلا یا رسول اللہ وہ پوشیدہ ہے اور آپ میرے لئے ظاہر ہیں مرد گیر ہیں۔ بے سہاروں کا سہارا حقیقی ہیں۔

مولوی معنوی اسم احمدؐ کی فضلیت میں فرماتے ہیں۔

از در مہا نام شارع بر لند
نام احمدؐ تا قیامت میزنند

نام احمدؐ نام جملہ انبیاء ست
چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست
اندریں فتنہ کہ گفتم آں گروہ
ایمن از فتنہ بُرندو از شکوہ
ایمن از شر امیران و وزیر!
در پناہ نام احمدؐ مستجیر
نام احمدؐ چوں حصارے شد
تا چہ باشد ذات آں روح الامین
نام احمدؐ چوں چنینش یاری کُند
تاکہ نورش چوں مددگاری کُند

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام تو اُن کے مرنے و معزول ہونے کے بعد درم دینار سے مٹا دیئے جاتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے وہ حقیقی حکمران ہیں اور آپ کا ورتبہ ہے کہ عالم علوی پر یہ احمد (تعریف کرنے والا ہے) اور عالم سفلی پر (محمدؐ) (تعریف کا سراپا بن) بن جاتا ہے اسمائے مشتقات (احمدؐ۔ محمدؐ۔ محمود)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارکہ سارے انبیاء کے ناموں کا مجموعہ ہے حبیب سو کا عدد آگیا تو ننانونے کا عدد ہمارے سامنے آچکا ہے۔ اسی لئے نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے والے لوگ فتنے اور خوف سے امن میں رہیں گے۔ مولانا معنوی فرماتے ہیں۔

وہ لوگ احمدؐ کے نام مبارکہ کی پناہ میں ہیں۔ اسی لیے وہ امیروں کی خانہ جنگی اور وزیروں کے شر سے محفوظ رہے ہیں۔

جب آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارکہ ہی حفاظت کے لئے مضبوط قلعہ ہے تو اُس روح لاامین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ تو کیسی محافظ اعلیٰ ہوگی

"لَا تَقْنَطُوْا"

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ

ترجمہ: (اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور رحیم ہے۔

مولانا رومؒ اس آیت مبارکہ کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

بندہ خود خواند احمدؐ در رشاد

جملہ عالم را بخواں قل یا عباد (مولانا روم)

یعنی اگر اطاعت الٰہی ہے تو بندگی باری تعالیٰ ہے اور اگر منزل عاقبت کا سوال ہے اور گناہوں کی بخشش ہے تو محمدؐ کی بندگی ہے۔

مولوی معنوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے احمدؐ کی بندگی میں اپنی امت کو دے دیا دیکھنا ہے تو قل یاعباد کی آیت میں دیکھ لوں۔

اس آیت مبارکہ کو علامہ اقبالؒ ایک نئے رنگ سے بیان کرتے ہیں۔ جہاں جبرئیلؑ اور ابلیس کی گفتگو ہے۔ جبرئیل فرماتے ہیں کے آؤ ابلیس تمہارے گناہوں کی بخشش خدا تعالیٰ سے کرا دوں لیکن اب کسی بھی وجود کی بخشش ہو مفہوم بندگی بدل جاتا ہے۔

جبرئیل

ہمدمِ دیرینہ! کیسا ہے جہانِ رنگ و بُو؟

ابلیس

سوز ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو

جبرئیل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو

کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو

ابلیس

آہ اے جبرئیل تو واقف نہیں اس راز سے

کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو !

اب یہاں میری گذر ممکن نہیں ممکن نہیں

کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو

جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات

اُس کے حق میں تقنطو اچھا ہے یا لا تقنطو

لا تقنطو کی منزل کو مولوی معنوی اپنی ایک غزل میں اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

(۱) در دل و جان خانہ کردی عاقبت

ہر دو را دیوانہ کردی عاقبت

آمدی کاتش درین عالم زنی

وانگشتی تا نگردی عافیت

ای ز عشقت عالمی ویران شدہ

قصد این ویرانہ کردی عاقبت

عشق را بیخویش بردی در حرم
عقل را بیگانه کردی عاقبت

یا رسول الله ستون صبر را
استن حنانه کردی عاقبت

شمع عالم بود لطف چاره گر
شمع را پروانه کردی عاقبت

یک سرم این سوست یک سر سوی تو
دو سرم چون شانه کردی عاقبت

دانه ای بیچاره بودم زیر خاک
دانه را در دانه کردی عاقبت

دانهٔ را باغ و بستان ساختی
خاک را کاشانه کردی عاقبت

ای دل مجنون و از مجنون بتر
مردی و مردانه کردی عاقبت

کاسۂ سرازتو پرازتوتہی
کاسۂ را پیمانہ کردی عاقبت
جان جاندارانِ سرکش را بعلم
(۱) عاشق جانانہ کردی عاقبت
شمس تبریزی کہ مرہرذرہ را
روشن وفرزانہ کردی عاقبت

علامہ فرماتے ہیں۔

بچشم من نگہ آوردۂ تست
فروغِ لاالٰہ آوردۂ تست
(ب) دوچارکن بہ صبح من رانی
شبم را تاب مہ آوردہ تست

میرے وجود میں بصیرت آپؐ کی دی ہوئی ہے اور میرا قلب نور الٰہی سے منور ہے جو آپؐ کا عطا کیا ہوا ہے۔ آپؐ مجھے صبح من رآنی سے پھر دوچار کریں میری تاریک دنیا میں چاند کی روشنی آپ ہی کی

---

(۱) کلیات شمس تبریزی
(ب) ارمضان حجاز

کی لائی ہوئی ہے۔

من رآنی فقد رأ اللہ

"جس نے مجھے دیکھا اُس نے گویا خدا کو دیکھا"

سورہ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ②
وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ④
عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى ⑤ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ⑥ وَ
هُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧ فَكَانَ قَابَ
قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ⑨ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى ⑩
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ أَفَتُمٰرُونَهُ عَلٰى مَا يَرٰى
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ⑬ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى
عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ⑭ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا ⑮
يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ
الْكُبْرٰى ⑱

ترجمہ: "قسم ہے تارے کی جبکہ وہ غروب ہوا تمہارا رفیق
نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا

یہ تو ایک وحی ہے جو اُس پر نازل کی جاتی ہے اُسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو بڑا حکمت والا ہے۔ وہ سامنے آکھڑا ہوا جب کہ وہ بالائی اُفق پر تھا پھر جب قریب آیا اور اُوپر معلق ہوگیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا تب اُس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی تھی جو وحی بھی اُسے پہنچائی تھی نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اُس نے اُس میں جھوٹ نہ ملایا اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر اُس نے سدرۃ منتھٰی کے پاس اُس کو دیکھا جہاں پاس جنت الماوٰی ہے۔ اُس وقت سدرۃ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی اُس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل اُن کے نفس کی خواہش کے مطابق نہیں ہے بلکہ ہر عمل حکم الٰہی بن چکا ہے۔ اور مقام محمود کی منزل پر صرف آنحضرت کی ہم کلامی محدود نہیں ہے بلکہ عشق حقیقی

کے ایسے اسرار منکشف ہو رہے ہیں جس سے کسی اور وجود کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں۔ یا وہ مقامات ہیں جہاں خدا تعالیٰ کی کوئی بھی مخلوق کتنی اعلیٰ کیوں نہ ہو پہنچ نہیں سکتی وہاں بھی آپ موجود ہیں بلکہ آپ کچھ پھینکیں تو آواز آئے یہ تو تمہارا خدا پھینک رہا ہے آپ کا ہاتھ ہو تو آواز آئے یہ تو ہمارا ہاتھ ہے۔ یہ فنا فی اللہ کی سب سے اعلیٰ منزل ہے جہاں تک کسی مخلوق کا گزر ممکن ہی نہیں ہے۔

آنکہ او زمزل ہفت آسماں

چشم دل بربست روز امتحاں

از پئے نظارہ او حور و جاں

پر شدہ آفاق ہر ہفت آسماں

قدسیاں اُفتادہ بر خاک رہش

صد چو یوسف اوفتادہ در چہش

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ

ترجمہ:۔ "اے نبی جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

سورہ فتح میں مکمل طور پر آپ کی فضلیت اعلیٰ کی تشریح کی گئی۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع

ترجمہ :- محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں تم جب دیکھو گے اُنھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اُس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات اُن کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے صفت اُن کی توراۃ اور انجیل میں اُن

کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اُس کو تقویت دی پھر وہ اُگ آئی ۔ پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی ۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار اُن کے پھلنے پھُولنے پر جلیں ۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیئے ہیں اللہ نے اُن سے مغفرت اور بڑے امر کا وعدہ فرمایا ہے۔

ان آیات مبارکہ کی روشنی میں مولوی معنوی فرماتے ہیں :۔

لَا یَسَعُ فِینَا نَبِیٌ مُرسَلُ
وَالمَلَكُ وَالرُّوحُ اَیضًا فَاعقِلُوا

گفت ما ذغیم ہمچوں ذاغ نے
مستِ صبّا غیم مستِ باغ نے

چونکہ مخزن ہائے افلاک وعقول
چوں خسے آمد بر چشم رسولے

مولوی معنوی فرماتے ہیں ۔ یہ حضرت ؐ کی شان ہے کہ منزل معراج پر اپنی آنکھوں اور دل کو ہفت آسمان تک سے بند کر لیا اور بجز مشاہدہ الٰہی کسی طرف توجہ نہیں کی ۔ حالانکہ خود آپ ؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے حوریں اور روحیں فرشتے ساتوں آسمانوں کے اطراف میں مجتمع ہو رہی تھیں ۔ ملائکہ مقربین آپ کی خاک رہ پر منتظر

تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سے سینکڑوں اہل حسن وارباب جمال آپ کے مشتاق دیدار تھے پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ ہمارے وقت خاص میں (جو اللہ کے ساتھ ہم کو حاصل ہے) کسی نبی مرسل اور فرشتے اور جبرائیل تک کو باز یاب ہونے کی گنجائش نہیں اسی منزل پر آپ کے علو مراتب کا اندازہ کر لو آپ بزبان حال فرما رہے ہیں کہ (مازاغ البصر) یعنی نظر ادھر اُدھر نہیں پھری مولانا فرماتے ہیں کہ ہم کوّے کی طرح مراد دنیا کے شائق نہیں۔ ہم مباغ (عالم) کے مست ہیں۔ باغ کے دلدادہ نہیں ہیں۔ اور عالم ملکوت افلاک اور ملائکہ کا مخزن ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تنکے کے برابر ہے۔

علامہ فرماتے ہیں۔

تا ز مازاغ البصر گیرد نصیب
بر مقام عبدہٗ گردو رقیب

نیست از روم و عرب پیوند ما
نیست پابند نسبت پیوند ما

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

رشتہ ما یک تولایش بس است
چشم ما را کیف صہبایش بس است

مستی او تا بخونِ ما دوید
کہنہ را آتش زد و نو آفرید

عشق او سرمایۂ جمعیت است
ہمچو خوں اندر عروق ملّت است

عشق در جان و نسب در پیکر است
رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

عشق ورزی از نسب باید گذشت
ہم ز ایران و عرب باید گذشت

اُمت او مثلِ او نورِ حق است
ہستی ما از وجودش مشتق است

نورِ حق را کسی نجوید زاد و بود
خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود

ہمارا باہم رشتہ روم اور عرب پر موقوف نہیں اور نہ اس سے نسب کا کوئی تعلق ہے یعنی نہ ہمارے نزدیک جغرافیائی حدود کوئی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ نسب و خون ہم نے حجازی محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل لگایا ہے اسی سبب سے ایک دوسرے کے ساتھ ہمارا رشتہ جُڑ گیا ہے۔ یہی محبت ہمارے نزدیک ایسا تعلق ہے کہ اس سے زیادہ کسی تعلق کی ضرورت نہیں ہماری آنکھوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی شراب کا نشہ بہت ہے۔ جب اس شراب کی مستی ہمارے خون میں دوڑی تو جتنے پرانے تعلقات اور پرانے رشتے تھے اس نے جلا دیے اور ایک نیا رشتہ پیدا کر دیا۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہی ہمارے لئے یک جا رہنے کا سامان ہے یہ عشق خون کی طرح ملّت کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اگر تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لو لگائی ہے تو نسب سے بے تعلق ہو جائے۔

اور عشق محمدی میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔

ابراہیمی رسالت نے جن بنیادوں کو استوار کیا اور رسالت محمدی نے اُن پر جو عظیم الشان تعمیر انسانیت کھڑی کی اس کی بدولت توحید پرستوں کی ایک ملت بن گئی جو اہل عالم کے لیے پیام رحمت ہے رسول کی محبت خدائی محبت کا وسیلہ ہے کوئی فرد اگر براہ راست بھی راہبوں کی طرح خدا سے رابطہ پیدا کرے لیکن ملت کی شیرازہ بند تو رسالت ہی ہے۔ جو لوگ براہ راست مجرّد حقیقت تک پہنچنے کا خواب دیکھتے ہیں۔ اُن کے لئے قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ ایک نئی فکر دے رہی ہیں۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ
لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ
وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ إِلٰهًا
وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ: "اور اس کی وصیت یعقوبؑ اپنی اولاد کو کر گیا اس نے کہا تھا کہ میرے بچو اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے لہذا مرتے دم تک مسلم رہنا۔ پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا۔ بچو میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے ان سب نے جواب دیا ہم اس ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا اور ہم (کیونکہ ہم اطاعت تسلیم رضا پر فائز ہیں) ہم اسی کے مسلم ہیں۔"

یعنی جہاں انسان ذکاوت بصیرت علم الٰہی کے ذریعے مجرّد حقیقت پہنچنا چاہتا ہے وہاں واسطے کو لازم قرار دے دیا گیا موحد پرست ہونا الگ بات ہے اطاعت تسلیم و رضا پر فائز ہونے کے لئے واسطہ لازم ہے۔ جو انبیاء علیہ السلام کا ہے۔ توحید پرست وہ ہی ہے جو نبوت کے صحیح اسرار رموز سے واقف ہے۔ اور رسالت کو توحید کی آخری شرط قرار دیتا ہے۔ کیوں کے اُس کے بغیر حقیقی ارتقائی سفر ناممکن ہے مولوی معنوی اپنی ایک غزل میں کہتے ہیں۔

نوریست میاں شعر احمر
از دیدہ و وہم وروح برتر
خواہی خود را بدو بدوزی
برخیز و حجاب نفس بردر (۱)
آن روح لطیف صورتی شد
با ابرو و چشم و رنگ اسمر
بنمود خدای بی چگونہ
بر صورت مصطفی پیمبر

(۱) کلیات شمس تبریزی مولانا روم رح

آن صورت او فنای صورت
وان نرگس او چو روز محشر

ہر گہ کہ بخلق بنگر یدی
گشتی ز خدا گشادہ صد در

چون صورت مصطفی فنا شد
عالم بگرفت اللہ اکبر

کوئی نئی نبوت انسانوں میں وسیع تر وحدت پیدا نہیں کر سکتی اسی لیے کسی جدید دعوائے نبوت سے انسانوں میں مزید تفریق پیدا ہو سکتی ہے۔

لانبی بعدی ز احسان خدا است
پردہ ناموس دین مصطفیٰ است

قوم را سرمایۂ قوت از و
حفظ سر وحدت ملت از و

دل ز غیر اللہ مسلماں می کند
نعرہ لا قوم بعدی می زند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سمندر کی مانند ہیں ہم کم فہم بندے اُن کا احاطہ نہیں کر سکتے ہم اپنے موضوع انسان کامل کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرانی، معاشرتی، زندگی اور اُن کی تعلیمات کا اب مکمل جائزہ پیش کرتے ہیں اور فلسفہ رومی واقبال سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں معاشرے کو صحیح لائحہ عمل فراہم کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود تھا جس نے صرف قیصر وکسریٰ کے تخت ہی نہیں اُلٹے بلکہ انسانوں کو غلامی کی زنجیروں اور توہمات کے طوق سے آزاد کیا۔ اِس وقت جو ملّت اسلامیہ میں ضعف نظر آتا ہے تو اُس کی وجہ قرآن وسنت سے تغافل ہے۔ کیوں کہ خطیب کا کام اب فروعات کی چتک ہے۔ ضعف وشاذ مرسل حدیثوں کی بحث میں قرآن طاق نسیاں پر دھرا رہتا ہے۔ احادیث میں غلو نے یہاں تک نوبت پہنچائی ہے کہ بعض احادیث کو نصوص قرآنی کا ناسخ بنا دیا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

از خطیب و دیلمی گفتار او

یا ضعف و شاذ و مرسل کار اُو

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب

مقام شوق میں ہیں سب قلب و نظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا

مسائل نظری میں اُلجھ گیا ہے خطیب

نہ فلسفی سے نہ ملّا سے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ نظر کا فساد

اب دیکھنا یہ ہے کہ ایجابی فلسفے کی روشنی میں آنحضرت مصطفیٰؐ کا سیاسی، معاشرتی، ریاستی اور عمرانی و تعلیمی نظام کیا ہے۔ عدالت کی حیثیت کیا ہے۔

اور آیا سیرت نبویؐ کی روشنی میں جدید اشتراکی نظریہ صحیح ہے۔ یا مولویوں کے من ملانے اصول جو سرمایہ دارانہ نظام کو جنم دے رہے ہیں اور دولت پرستوں کی پشت پناہی کر رہے آیا وہ درست ہیں۔ اگر نہیں تو یہی وجہ ہے کہ علامہ نے جدید اشتراکی نظام کو خوش آمدید کہا ہے۔ جبکہ علامہ کی شخصیت فلسفۂ اسلام سے بہت گہری واقفت رکھتی تھی اور اُن کا وجود معنوی عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنے کلام میں جگہ جگہ کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیثیت میں فرقان۔ ام الکتاب ناطق قرآن ہیں۔ اُن کی ذات قرآن پاک کی مکمل تشریح کر رہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے آغاز کتاب میں لکھا کہ علم قرانی کی قرارگاہ خانقاہ اور راہبوں اور مولویوں کے حجرے نہیں ہیں بلکہ اُس کے دامن سے بے شمار علوم کی کرنیں نکل رہی ہیں جو انسانی شعور کو جلا بخش رہی ہیں۔ اور جس سے نظام کائنات میں انقلاب برپا ہو رہا ہے۔ کیفیات قرانی بے شمار ہیں۔ اور ہر فطری کیفیت

میں ہم کو واضح روشنی حکمت دانائی کا مرکز یہی نظر آئے گی۔ طالب علموں کی دلچسپی کے لیے کچھ منور پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

کتاب۔ اور۔ مبین قرآن۔ اور۔ کریم کلام نور	حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ٥ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ٥ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ٥ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا سورہ النساء ۱۷۴
ھدیٰ۔ اور۔ رحمۃ فرقان شفاء موعظۃ۔ شفاء لما فی الصدور ذکر۔ اور۔ مبارک علی حکمۃ حکیم مھیمن حبل صراط مستقیم	هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ سورہ یونس وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا

عربی	قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ○
نطق	هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ○
بصائر	هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ○
بَیَان	هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ○
علم	مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ○
حَقّ	اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ○
ہادی	اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ ○
عَجَب	قُرْاٰنًا عَجَبًا ○
تذکرہ	اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ ○
عُروۃ الوثقیٰ	اِسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ○
صِدق	وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ ○
عَدل	وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ○
امر	ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗ اِلَيْكُمْ ○
مُنادی	مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ ○
بُشریٰ	هُدًى وَّبُشْرٰى ○
مجید	بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○
زبور	وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ ○
بشیر اور نذیر	كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ○
عزیز	وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ○
بلاغ	هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ○

قصص	اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۝
صُحُف۔ اور۔ مُکَرَّم۔ اور۔ مرفوع۔ اور۔ مُطَہَّر	یہ چاروں نام ایک ہی سورۃ میں آئے ہیں :- فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝
قَیِّم	قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا
قول۔ اور۔ فصل	اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ
نباءِ عظیم	عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ
احسن الحدیث مثانی اور۔ متشابہ۔	اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۝
تنزیل	وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
روح	اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۝
وحی	اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۝

یہ تو قرآن حکیم کے کچھ مقدس نام ہیں جو علم حقیقی کے روشن مینار ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مجسم قرآن ہیں اُن کے لئے سورہ البلد میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝۴

ترجمہ :- نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں اُس شہر کی اور حال یہ ہے کہ (اے نبیؐ) اس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا اور قسم کھاتا ہوں باپ

کی اور اُس اُولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی درحقیقت ہم نے انسان

کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں جہاں اللہ تعالیٰ شہر مکہ کی قسم کھا رہا ہے لیکن پہلے یہ کہ میں کیوں اُس کی قسم کھاؤں یہ شہر جو سنسان پہاڑوں کے درمیان سے قدیم ہے لیکن کیوں کہ آپؐ کی ذات مبارک کے مقیم ہونے سے اس کی عظمت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ یہ شہر حرم ہے مگر میں اس لئے قسم کھاتا ہوں کہ آپ سیرت مبارکہ اسی شہر میں محیط نظر آتی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾
فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا
ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ
مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾

ترجمہ: مگر اُس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی

اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی کی گردن کو غلامی سے

سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین

کو کھانا کھلانا پھر (اس کے ساتھ یہ ہے کہ) آدمی اُن لوگوں

میں شامل ہو جو ایمان لائے جنہوں نے ایک دوسرے کو

صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی۔

سیرت نبوی صرف کسی قومیت کی حد تک محدود نہیں ہوئی نہ کسی شہر میں مقید ہوئی بلکہ وہ ایک عمرانی تحریک ایک متحرک قوت بن کر انسانیت کا علمبردار رہی۔ جہاں غریبوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے غلاموں کی گردنوں کو چھڑایا جاتا ہے۔ مسکینوں پر رحم کیا جاتا ہے۔

لیکن یہ عمل لوگوں کے لیے صرف دشوار گزار گھاٹی بن گیا ہے۔ ان آیات مبارکہ کی روشنی میں سیرت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارگاہ قصر سلطانی کے گنبد نہیں اور نہ سرمایہ داروں کی دولت کے بلند پہاڑ میں بلکہ آپ کے سر پر توھل اَتیٰ کا تاج ہے اس لئے نور محمدی جس سے مادی چیزوں کی چمک و دھمک ماند پڑ جاتی ہے اور یہ وہ نور ہے جس کی قرارگاہ قلب انسانی ہے۔ جس سے قلوب کی تمام بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اور آپؐ کی ذات بابرکت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تخصیص کردی کہ میرے محبوب بندے رسول آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی سیرت مبارکہ کا گزر سرمایہ داروں کے پاس نہیں بلکہ۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (سورۃ انسان)

اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور اُن سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف

اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں۔

کیوں کہ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا کہ نبوت ایک تحریک ہے زور لوح و قلم ہے۔ زور عدل و معاشیات ہے۔ اور تمام معاشرتی و عمرانی اور انسانی علوم پر یہ نور الہ نور محیط نظر آتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے ایک آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں انسان کی اخلاقی اور عمرانی اصلاح کس طرح کی جائے اور وہ کون سے منور گوشے ہیں۔ سیرت نبویؐ کے جو ہدایت انسانی کا باعث بنے اس منزل پر گفتگو عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ بحث تزکیہ و تطہیر کی ہے۔ اور ایسی معاشرتی قدروں کو مضبوط بنانے کی ہے جہاں سے فرسودہ روایات و کلیسائی فکر کا خاتمہ ہو سکے۔ اور مثالی انسانی معاشرے کا قیام وجود میں آسکے میں اس طویل گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اور فکر اقبال اور مولوی معنوی کی حکمت کو مد نظر رکھتے ہوئے میری نظر میں صرف تین اصولوں کا سیرت محمدیؐ کی روشنی میں جائزہ لینا ہی کافی ہوگا۔

۱ انفاق یعنی اشتراکیت

۲ تصور ملت

۳ ریاست

انفاق (اشتراکیت)

چودہ سو سال سے ہمارے پیر حرم جب اسلامی معاشرے کا خود ساختہ نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اس میں انفاق کی وضاحت ضروری نہیں سمجھتے۔ جب کہ اس کی اہمیت دوسرے احکام سے کچھ بڑھ کر ہے۔ زکوٰۃ و خمس اور دوسرے احکامات کی تشریح زور شور سے ہوتی ہے کیوں کہ وہ کسی نہ کسی طرح پیر حرم کے میخانے تک پہنچ جاتے ہیں مگر انفاق کا راستہ ملائے حرم کا میخانہ نہیں بلکہ غریب کا پیٹ ہے۔

سیرت نبوی کی روشنی میں انفاق کیا ہے۔ آیا اس تلوار انفاق سے ہم سرمایہ دارانہ نظام پر کاری ضرب لگا سکتے ہیں۔ جدید علوم کے حوالے سے جہاں علامہ اقبال رح نے اپنے کلام میں لینن عظیم کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا اس حوالے سے ملکیت کا کیا تصور

ہونا چاہئے۔ جدید معاشرے کے اقتصادی قانون حرکت کی تشریح کیا ہے؟ طبقاتی نظام کی نفی کس طرح کی جائے۔

تصور ملکیت اور اقتصادی نظام کا ایک جائزہ لینے سے پہلے ہم انفاق کی تشریح ضروری سمجھتے ہیں۔

"انفاق" عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو خرچ کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

ترجمہ:۔ تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا۔

اس آیت مبارکہ میں "تنفقو" کا اطلاق ایسی چیزوں پر ہے جو بندے کی نظر میں محبوب ہوں لیکن تنفقو بالجبر نہیں ہے۔ لیکن سورہ توبہ میں یہ خاص پہلو ملحوظ رہے کہ عوام کے کردار کے بجائے علماء اور مشائخ کے کردار کو بے نقاب کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾

ترجمہ :" اے ایمان والوں ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ دردناک سزا کی خوشخبری دو اُن کو جو سونے اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے "

مولانا مودودی رح ان آیت مبارکہ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

(۱) " یعنی ظالم صرف یہی ستم نہیں کرتے کہ فتوے بیچتے ہیں رشوتیں کھاتے ہیں، نذرانے لوٹتے ہیں۔ ایسے ایسے مذہبی ضابطے اور مراسم ایجاد کرتے ہیں جن سے لوگ اپنی نجات اُن سے خریدیں اُن کا مرنا جینا اور شادی وغم کچھ بھی اُن کو کھلائے بغیر نہ ہوسکے اور وہ اپنی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کا ٹھیکہ دار اُن کو سمجھ لیں۔ بلکہ مزید براں اپنی اغراض کی خاطر یہ حضرات خلق خدا کو گمراہیوں کے چکر میں پھنسائے رکھتے ہیں اور جب کبھی دعوت حق اصلاح کے لئے اُٹھتی ہے تو سب سے پہلے اپنی عالمانہ فریب کاریوں

---

(۱) مولانا مودودی تفہیم القرآن جلد دوم

اور مکاریوں کے حربے لے کر راستہ روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دراصل یہ آیت مبارکہ ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل کا ایک واضح عمل بیان کر رہی ہیں۔

ماضی میں مذہبی لوگ راھب کی صورت میں معاشرے پر ظلم ڈھاتے نظر آتے ہیں۔ اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ملوکیت کی پشت پناہی ہمیشہ کلیسائی ذہنیت رکھنے والے گروہ نے کی ہے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مظلوموں کے استحصال بالجبر پر خودساختہ الہیاتی مہر لگائی اور انسانوں کو دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دیا۔ آج بھی سرمایہ دار اور دولت مند طبقہ کی حفاظت کا واحد سہارا یہی لوگ ہیں۔ جو انفاق کی نفی کرتے ہیں اور سونا چاندی جمع کر رہے ہیں۔ اور معاشرے میں دولت کی تقسیم کے قائل نہیں ہیں۔

(مسئلہ زمین) زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ اسلامی اصول کے مطابق زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جس پر تمام بندوں کو مساوی حق حاصل ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی کتاب علم اقتصاد میں زرعی مسائل کے حوالے سے ذاتی ملکیت کی پرزور مخالفت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ رحمٰن میں آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اور آپ کے وجود کو میزان اعلیٰ ٹھہراتے ہوئے ذاتی ملکیت کی نفی کرتا ہے۔

سورہ رحمٰن میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اعلیٰ کا ذکر ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشتراکیت کے عظیم علمبردار نظر آتے ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ

الْبَيَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ
وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ
الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ
بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹ وَالْاَرْضَ
وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰

ترجمہ: رحمٰن نے اِس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے بولنا سکھایا سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈانڈی نہ مارو زمین کو اُس نے سب مخلوقات کے لیے بنایا ہے۔

یعنی اس قرآن کی تعلیم کسی انسان کی طبعزاد نہیں ہے۔ بلکہ معلم خود خدائے رحمٰن ہے۔ پہلی تین آیت مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کہ آپ کو قرآن (یعنی علم) سکھا دیا گیا۔ پھر بشری

حالت میں اس کائنات میں بھیجا اور منزل اقرار پر قوت گویائی عطا فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارکہ کو میزان سے تشبیہ دے کر لوگوں کو بتایا کہ تم میزان میں خلل ڈالنے کی کوشش مت کرو۔

امام فخرالدین الرازیؒ نے تفسیر کبیر میں ان آیت مبارکہ کی نہایت عالمانہ تشریح فرمائی ہے۔ رازیؒ فرماتے ہیں۔ یہ روایت حضرت عمر فاروقؓ حضرت علی رضا اور حضرت موسیٰ رضاؑ سے فرماتے ہیں الرحمٰن خدا کی وہ اعلیٰ صفت ہے۔ جہاں کفر کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنی حیثیت میں علیم ہے۔ اس لئے اُس کا اقتدار جو تمام کائنات پر قائم ہے۔ اور خاص طور سے انسانوں پر وہاں خیر و شر کے درمیان اُس کا عدل حائل ہے۔ لیکن اگلی آیات مبارکہ میں جہاں علم القران کہا گیا وہاں کلام تعالیٰ کلام محمدؐ بن رہا ہے۔ جہاں لاسخون فی علم کے اعلیٰ درجات نظر آتے ہیں۔ لیکن دسویں آیات مبارکہ میں عدل کی گفتگو کے بعد زمین کو ذاتی ملکیت سے ہٹا کر مشترکہ ملکیت میں تبدیل کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ تفسیر کبیر کے کچھ اقتباسات قرآن کے طالب علموں کی آسانی کے لیے یہاں نقل کر رہے ہیں تاکہ اُن کو آسانی ہو۔

(البحث الثانی) الله والرحمن فی حق الله تعالیٰ، کالا سم الأول و الوصف الغالب الذی یصیر کالا سم بعد الاسم الأول کما فی قولنا عمر الفاروق، وعلی المرتضی وموسی الرضا، وغیر ذلك مما نجده فی اسماء الخلفاء و اوصافهم المعرفه لهم التی کانت لهم وصفا وخرجت بکثرة الأستعمال عن الوصفیة، حتی ان الشخص وان لم یتصف به او فارقه الوصف۔ یقال له ذلك کالعلم فإذن للرحمن اختصاص بالله تعالیٰ، کما ان لتلك الأوصاف اختصاصًا بأولئك غیر ان فی تلك الأسماء والأوصاف جاز الوضع لما بینا

حيث استوى الناس فى الاقتدار والعظمة ولا يجوز فى حق الله تعالى فإن قيل ان من الناس من اطلق لفظ الرحمن على اليمامى، نقول هو كما ان من الناس من اطلق لفظ الإله على غير الله تعديا وكفرا، نظرا إلى جوازه لغة وهو اعتقاد باطل -

(البحث الثالث) الله تعالى رحمتان سابقة ولاحقة فالسابقة هى التى بها خلق الخلق واللاحقة هى التى اعطى بها الخلق بعد ايجاده اياهم من الرزق والفطنة وغير ذلك فهو تعالى بالنظر إلى الرحمة السابقة رحمن وبالنظر إلى اللاحقة رحيم، ولهذا يقال يا رحمن الدنيا ورحيم الآخرة فهو رحمن لأنه خلق الخلق اولا برحمة، فلما لم يوجد فى غيره هذه الرحمة ولم يخلق احد احدا لم يجز ان يقال لغيره رحمن ولما تخلق الصالحون من عباده ببعض اخلاقه على قدر الطاقة البشرية واطعم الجائع وكسا العارى، وجد شىء من الرحمة اللاحقة التى بها الرزق والاعانة فجاز ان يقال له رحيم وقد ذكرنا هذا كله فى تفسير سورة الفاتحة غير انا اردنا ان يصير ما ذكرنا مضموما إلى ما ذكرناه هنالك، فأعدناه ههنا لأن هذا كله كالتفصيل لما ذكرناه فى الفاتحة -

(المسألة الثانية) الرحمن مبتدأ خبره الجملة الفعلية التى هى قوله (علم القرآن) وقيل الرحمن (خبر) مبتدأ تقديره هو الرحمن، ثم أتى بجملة فقال (علم القرآن) والأول أصح، وعلى القول الضعيف الرحمن آية -

(المسألة الثالثة) قوله تعالى (علم القرآن) لا بد له من مفعول ثان فما ذلك؟ نقول الجواب عنه من وجهين (أحدهما) قيل علم بمعنى جعله علامة اى هو علامة النبوة ومعجزة وهذا يناسب قوله تعالى

(وانشق القمر) على ما بينا انه ذكره فى اول تلك السورة معجزة من باب الهيبة وهو أنه شق ما لا يشقه احد غيره وذكر فى هذه السورة معجزة من باب الرحمة، وهو انه نشر من العلوم مالا ينشره غيره وهو ما فى القرآن، وعلى هذا الوجه من الجواب ففيه احتمال آخر، وهو انه جعله بحث يعلم فهو كقوله (ولقد يسرنا القرآن للذكر) والتعليم على هذا الوجه مجاز- يقال إن أنفق على متعلم واعطى اجرة على تعليمه علمه (وثانيهما) أن المفعول الثانى لا بد منه وهو جبريل وغيره من الملائكة عليهم القرآن ثم أنزله على عبده كما قال تعالى (نزل به الروح الأمين على قلبك) ويحتمل أن يقال المفعول الثانى هو محمد صلى الله عليه وسلم، وفيه إشارة إلى ان القرآن كلام الله تعالى لا كلام محمد وفيه (وجه ثالث) وهو انه تعالى علم القرآن الإنسان وهذا أقرب ليكون الإنعام أتم والسورة مفتتحة لبيان الأعم من النعم الشاملة

(المسالة الرابعة) لم ترك المفعول الثانى؟ نقول إشارة الى ان النعمه فى تعمم التعليم لا فى تعليم شخص دون شخص، يقال فلان يطعم الطعام إشارة الى كرمه ولا يبين من يطعمه -

(المسالة الخامسة) ما معنى التعليم؟ نقول على قولنا له مفعول ثان إفادة العلم به، فان قيل كيف يفهم قوله تعالى (علم القرآن) مع قوله (وما يعلم تاويله الا الله)؟ نقول، من لا يقف عند قوله (الا الله) ويعطف (الراسخون) على الله عطف المفرد على المفرد لا يرد عليه هذا، ومن يقف ويعطف قوله تعالى (والراسخون فى العلم) على قوله (وما يعلم تاويله)

عطف جملة على جملة يقول إنه تعالى علم القرآن ، لأن من علم كتابا عظيما ووقع على ما فيه ، وفيه مواضع مشكلة فعلم ما فى تلك المواضع بقدر الإمكان ، يقال فلان يعلم الكتاب الفلانى ويتقنه بقدر وسعه ، وإن كان لم يعلم مراد صاحب الكتاب بيقين ، وكذلك القول فى تعليم القرآن ، أو تقول (لا يعلم تأويله إلا الله) وأما غيره فلا يعلم من تلقاء نفسه ما لم يعلم فيكون إشارة إلى أن كتاب الله تعالى ليس كغيره من الكتب التى يستخرج ما فيها بقوة الذكاء والعلوم ـ

ثم قال تعالى (والأرض وضعها للأنام) فيه مباحث:

(الأول) هو أنه قدم أن تقديم الاسم على الفعل كان فى مواضع عدم الاختصاص وقوله تعالى (للأنعام) يدل على الاختصاص ، فان اللام لعود النفع ـ نقول الجواب عنه من وجهين (أحدهما) ما قيل أن الأنعام يجمع الإنسان وغيره من الحيوان ، فقوله للأنام لا يوجب الاختصاص بالإنسان (ثانيهما) أن الأرض موضوعة لكل ما عليها ، وإنما خص الإنسان بالذكر لأن انتفاعه بها أكثر فإنه ينتفع بها وبما فيها وبما عليها ، فقال للأنام لكثرة انتفاع الأنام بها ، إذا قلنا إن الأنام هو الإنسان وإن قلنا إنه الخلق فالخلق يذكر ويراد به الإنسان فى كثير من المواضع ـ

ملکیت زمین اور زرعی حوالہ سے قرآن پاک کی سورہ نون میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ قَٰدِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ "ہم نے ان (اہل ملکہ) کو اُسی طرح آزمائش میں ڈالا جس طرح باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ جب انہوں نے قسم کھائی صبح سویرے ضرور اپنے باغ کے پھل توڑیں گے اور وہ کوئی استثناء نہیں کر رہے تھے۔ رات کو وہ سوئے پڑے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک بلا اس باغ پر پھر گئی

اور اُس کا ایسا حال ہوگیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔ صبح اُن لوگوں نے ایک دوسرے کو پُکارا کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو سویرے سویرے اپنی کھیتی کی طرف چلو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چُپکے چپکے کہتے جاتے تھے آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں نہ آنے پائے، وہ کچھ نہ دینے کا فیصلہ کئے ہوئے صبح سویرے جلدی جلدی وہاں گئے جیسے کہ وہ (پھل توڑنے پہ قادر ہیں) مگر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے "ہم راستہ بھول گئے ہیں"

"...... نہیں بلکہ ہم محروم رہ گئے"

قرآن حکیم نے دو مختلف مقامات پر ملکیت کے تصور سے پیدا ہونے والے نفسیاتی مفاسد کا ذکر بڑے بلیغ پیرائے میں کیا ہے جو موجودہ دور کے جاگیرداروں پر بھی پوری طرح منطبق ہوئے ہیں۔ ایک واقعہ سورہ کہف (آیت ۳۲ تا ۴۴) میں بیان کیا ہے۔ جس میں باغات کا مالک اپنی دولت اور خوشحالی کے نشے میں بدمست ہوکر حقوق اللہ سے غافل ہوگیا تھا۔ اس لئے باغات برباد کر دیئے گئے اسی طرح اس سورہ مبارکہ یعنی سورہ قلم میں بیان ہوا جس میں مالک زمین کے حقوق العباد سے غافل ہو جاتا ہے۔

یہ جامع دستور اور نسخہ کیمیا اس کائنات میں آنحضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت لے کر آئی۔ اور ان اصولوں کو عملی جامعہ پہنایا۔

مولانا روم رح ان نظریات کو اپنی مثنوی میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

(ا) مصطفائے کو کہ جمش جاں بود
تا کہ رحمٰن عَلَّمَہ القُرآں بود

اہل تن را جملہ عَلَّمَہ بالقلم
واسطہ افراشت دو بذل کرم

(ب) قصہ اصحاب ضرواں خواندۂ
پس چرا در حیلہ جوئی ماندۂ

حلیہ میکر وند کثر دم نیش چند
کہ برند از روزیِ درویش چند

شب ہمہ شب میگالید ند مکر
روئے دو دو کرو چندیں عمر و بکر

(ا) دفتر سوئم

(ب) مثنوی مولوی معنوی۔

پا گل اندا نیدہ اسگا لیدہ گل؛

دست کارے میکند پنہاں زول

مولوی معنوی فرماتے ہیں کہ ہر شخص حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہو سکتا ہے کہ جس کا جسم بھی روح کی طرح لطیف ہو۔ تاکہ اُس کو رحمٰن (درسگاہ غیب سے) قرآن پڑھا دے برخلاف اُس کے تمام غیر لطیف جسم والوں (یعنی اہل ظاہر) کو قلم کے ذریعہ سے تعلیم دیتا علم کی بخشش خرچ کرنے میں واسطہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیثیت میں عالم نہیں بلکہ علم ہیں۔ جو انسانیت کا پیغام لے کر اس کائنات میں تشریف لائے کیا تم نے ضروان والوں کا قصہ قرآن مجید میں نہیں پڑھا جو غریبوں اور مسکینوں کا حق غصب کر لیتے تھے اور اپنی فصل میں سے ایک دانہ بھی اُن کو نہیں دیتے تھے بلکہ یہ چند آدمی زمین کے مالک بن کر محتاجوں کا رزق مار لیتے تھے۔ کیا یہ مٹی اِن لوگوں کے خلاف کچھ سوچ نہیں رہی کیا ہاتھ دل سے چھپا کر کوئی کام کر سکتا ہے۔

مولانا روم رح نے فلسفہ قرآن کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی مثنوی میں انوکھے انداز سے زمین کے مالکوں پر لعنت و ملامت کی مگر اقبال اُس زمانے کا مفکر ہے جب انسان ترقیوں کی اعلیٰ منزل پر پہنچ چکا ہے۔ علامہ کے نزدیک صرف کچھ مختصر سے علوم نہیں تھے بلکہ علامہ رح نے اسلام کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ علم اقتصاد کے حوالے سے جدید اشتراکی نظام کا بغور مطالعہ کیا۔ اسی لیے اُن

کے اشعار اور اُن کی فکر میں ایک انقلابی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور علم اشتراکیت اپنی انتہا پر معلوم ہوتا ہے۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب

در کلیسا ابنِ مریم را بدار آویختند
مصطفےٰ از کعبہ ہجرت کردہ با اُمّ الکتاب

انقلاب
انقلاب! اے انقلاب

علامہ "والارض وضعھا للانام" کی تشریح الارض اللہ کے حوالے سے یوں فرماتے ہیں۔

الارض للہ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب

کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
دہ خدایا! یہ زمین تیری نہیں، تیری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ علامہ اقبال اشتراکیت کے تمام پہلوؤں سے اتفاق رائے رکھتے تھے۔ لیکن ساتھ ساتھ علامہ کا عقیدہ یہ بھی تھا یہ تمام انقلاب اسلام کے ساتھ وابستہ ہو سکتا ہے بلکہ معاشی تنظیم اسلام کے منشا کے عین مطابق ہے۔

مارچ ۱۹۳۲ میں لاہور میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبہ میں آپ نے کاشتکار آبادی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

(۱) "ہندوستان میں اسلام کے مستقبل کا انحصار پنجاب کے مسلمان کاشت کار کی آزادی پر ہے۔ پھر چاہیئے کہ آتش شباب سوز یقین کے ساتھ مل کر زندگی کی شعاع کو تیز کریں اور آنے والی نسلوں کے لیے عمل کی نئی زندگی تخلیق کریں

کیوں کہ علامہ کے کلام میں "کسان" اُن کا بہت اہم موضوع

رہا ہے اس لیے اپنے آخری کلام ارمغان حجاز میں فرماتے ہیں۔ جس میں دہقان کی مظلومیت مکمل طور پر جھلک رہی ہے۔

(۱) دہقان ہے کسی قبر کا اُگلا ہوا مردہ
بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمیں ہے۔
جاں بھی گرو غیر، بدن بھی گرو غیر
افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے

کاشت کار کی معاشی ابتری اور معاشرتی زبوں حالی کا جو نقشہ ان درد انگیز الفاظ کہا گیا اس سے کاشتکار کی محکومی مظلومی پر اُن کے کرب کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ کیوں کہ آج کے دور میں کسان و مزدور معاشرے کا سب سے مظلوم طبقہ ہے۔ جسے بڑے بڑے سرمایہ دار مذہبی پیشہ وروں کے ساتھ مل کر دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ اس لیے علامہ فرماتے ہیں۔

اس جہاں میں اک معشیت اور سو اُفتاد ہے؟
روح کیا اس دیس میں اس فکر سے آزاد ہے؟
کیا وہاں بجلی بھی ہے! دہقاں بھی ہے خرمن بھی رہا ہے
قافلے والے بھی میں اندیشہ رہزن بھی ہے؟

---

(۱) اقبال کے زرعی افکار (چودھری مظفر حسین)

(ب) سینہ افلاک سے اُٹھتی ہے آہ سوزناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوب سلطانِ منیر
کہہ رہا ہے داستان بے دردی ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانہ دہقان پیر

(ج) سخت کش دہقان چراغش روشن است
از نہاب دہ خدایاں المین است
کشت کاوش بے نزاع آب جو است
حاصلش بے شرکت عیرے از دست

علامہ اپنی کتاب علم الاقتصاد میں جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی اُس میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

"جوں جوں آبادی بڑھتی ہے۔ ضرورت اُن زمینوں کو کاشت میں لانے پر مجبور کرتی ہے جو اس سے پہلے غیر مزروعہ پڑی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو زمین افزائش آبادی سے پیشتر کاشت کی جاتی تھیں اُن کا لگان بڑھ جاتا ہے۔ زمیندار روز بروز دولت مند ہوتے جارہے ہیں، حالانکہ یہ مزید دولت جو انھیں ملتی ہے نہ اُن کی ذاتی کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے اور نہ ہی زمینوں کے محاصل کی مقدار بڑھتے بلکہ صرف آبادی کی زیادتی سے پیدا

ہوتی ہے اُن کی ذاتی کوشش اور اُن کی زمینوں کے محاصل کی مقدار میں کوئی فرق نہیں آتا پھر انھیں کوئی حق نہیں کہ وہ دولت مند ہوتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ آبادی کی زیادتی سے قوم کے خاص افراد کو فائدہ پہنچے اور باقی قوم اس سے محروم رہے۔ اگر یہ فائدہ اُن کی ذاتی کوششوں یا اُن کی زمینوں کے محاصل بڑھ جاتے کا نتیجہ ہوتا تو کوئی بات تھی لیکن جب اُنکی دولت مندی کے یہ اسباب نہیں ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اُن کی یہ امیری صریحاً اصولِ انصاف کے خلاف ہے۔"

سید نذیر نیازی صاحب اپنی کتاب "اقبال کے حضور" کے اندر ۴ جنوری ۱۹۳۸ کو مسئلۂ ملکیت زمین پر ہونے والی ایک گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"قدرے سکوت کے بعد کہنے لگے۔ اب حالات بدل گئے ہیں پرانے خیالات کی جگہ نئے خیالات نے لے لی ہے اور دنیا میں ایک ایسا نظام بھی قائم ہے جو زمین پر افراد کا حق ملکیت تسلیم نہیں کرتا۔

لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ اسلام کا قانون وراثت بڑا خوب ہے۔ اس کی غائت ہے دولت کی تقسیم در تقسیم تاکہ زراندوزی کی نوبت نہ آئے، نہ اجارہ داری کی نہ جاگیریں ہو۔ نہ زمیندار اور کاشت کار کا باہمی نزاع یوں نظام سرمایہ داری پر بھی کڑی ضرب لگتی ہے رہی زمین سو اللہ کا مال ہے اس پر کسی کو حق ملکیت نہیں۔

علامہ کے ان دو بیانات سے ان کے نظریات کھل کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں جس میں علم اشتراکیت کی تشریح ایک نئے زاویہ نگاہ سے کی جارہی ہے۔

اشتراکیت کی ابتداء دراصل صحیح اقتصادی نظام اور بنیادی حقوق کی جدوجہد تھی۔

لیکن مارکس عظیم اور ان کے رفقاء نے ان نظریات پر ان تھک محنت کی اور اسے معاشرے میں علم اقتصاد کی آسمانی کتاب کی حیثیت سے منوایا! اور دیگر اہل فکر نے اُن کی تعمیر مضبوط کرنے کے لیے حیات وکائنات کی ایک ہمہ گیر نظریاتی اساس قائم کر دی۔ اور ایسے تمام فرسودہ نظریات کی نفی کی جو محتاجوں مسکینوں اور غریبوں کا استحصال بالجبر ان الفاظ سے کرتے تھے کہ یہ دنیا تو مختصر ہے۔ توکل و قناعت کے درس سیکھو۔ اعلیٰ اخلاق سیکھو اور دوسرے کاموں میں جہد و جہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا۔ مذہبی پیشوا اکثر و پیشتر حکومتوں کے آلہ کار رہے ہیں۔ مذہبی استبداد نے ہمیشہ سیاسی اور معاشی ظلم کی معاونت کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ سرمایہ دار جنہیں صرف مفت خوری عیش عشرت کے سوا کچھ کام نہیں اور جو زمین پر بوجھ بن گئے ہیں۔ ان بیکار لوگوں سے زمین کو پاک کیا جائے۔

(۹) بر دوش زمین بار سرمایہ دار
ندارد گذشت از خور و خواب کار

جہان راست بہروزی از دست مزد

ندانی کہ این، ہیچ کار است دزد

"قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور"

(ب) غوغائے کارخانۂ آہنگری زمن

گلبانگ ارغنون کلیسا از آن تو

نخلے کہ شہ خراج برومی نہد زمن

باغ بہشت و سدرہ و طوبا از آن تو

تلخابۂ کہ درد سر آورد آن من

صہبائے پاک آدم و حوا از آن تو

مرغابی و تدرو و کبوتر از آن من

ظلل ہما و شہپر عنقا از آن تو

ایں خاک و آنچہ در شکم او از آن من

وز خاک تا بہ عرش معلا از آن تو

اس لئے فکرِ اقبال کو اگر معاشرے میں عام کرنا ہے تو ہم اشتراکیت کو کسی بھی زاویہ نگاہ سے رد نہیں کر سکتے کیوں کہ اُس کے بنیادی

اصول اور اسلام کے معاشرتی و عمرانی اصولوں کے عین مطابق ہیں۔
اس لئے لینن عظیم کو خدائی عدالت میں جب علامہ پیش کرتے ہیں۔
تو ایک کافر اور ملحد شخص خدا کے حضور علم و حکمت اور انسانی اصولوں
کی باتیں کرتا نظر آتا ہے۔ جہاں وہ اس کی وضاحت کرتا ہے کیا
مذہب بڑے بڑے حکماء اور اسکالر مکمل طور پہ انسانیت کے لیے
کوئی پیغام دے سکے اے میرے رب تو کیا اُن لوگوں کا خدا ہے جو
غریبوں اور مظلوموں کے حقوق کا غصب کرتے ہیں اور
مساوات کی تعلیم دیتے ہیں۔ لینن نے خدا کے سامنے اسباب
کفر بیان کر کے معذرت کی ہے اور جو انقلاب اور ہیجان اُس
نے پیدا کیا اُس کا جواز بھی دلنشین طریقے سے پیش کیا۔ کفر و
اتحاد کے علاوہ اُس کی فکروزندگی انسانیت کی خدمت کے علاوہ
کچھ نہیں۔ کاش کوئی مسلمان یا مولوی جدید مغربی تہذیب کا تختہ الٹنے کے
قابل ہوتا یہ کام لینن عظیم جیسے مجاہد نے کر دکھایا اس لئے جس قسم
کا انقلاب روس میں ہوا اس سے ملتا جلتا انقلاب اقبال ملت اسلامیہ
میں بھی دیکھنا چاہتے تھے بقول اقبال کے مارکس عظیم سے تو
مشیر ابلیس بھی پریشان ہو گیا اور مارکس کے افکار اُس کے راستے
میں حائل ہو گئے۔

وہ کلیم بے تجلّی! وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب

لینن

(خُدا کے حضور میں)

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تُو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے
بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہُوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود؟
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات
مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی!
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات!
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات!

رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

بیکاری و عُریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیّت کے فتوحات؟

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سُرخی نظر آتی ہے سرِ شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دُنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات!

لیکن علامہ نے اشتراکیت کو عام کرنے کے لیے کارل مارکس کی آواز کو اپنی آواز بنا کر پیش کیا علامہ راستہ حق بین اتنے آگے نکل گئے تھے اب انہیں مولویوں کے بے ڈھنگ اصولوں اور فتوؤں کا ڈر نہیں تھا۔

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش

تری کتابوں میں اے حکیمِ معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوطِ خمدار کی نمائش! مریز و کجدار کی نمائش!

جہانِ مغرب کے بتکدوں میں کلیسیاؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے عقلِ عیّار کی نمائش

علامہ اقبال نے روسی انقلاب اور اشتراکیت کو سورہ بقرہ کی آیات کی تشریح کے طور پر اپنے کلام میں پیش کیا۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

ترجمہ۔ پوچھتے ہیں! ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو! جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو اس طرح اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔ شاید کہ تم دنیا اور

آخرت دونوں کی فکر کرو پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے کہو! جس طرز عمل میں اُن کے لیے بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے اگر اپنا اور اُن کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو تو کوئی مضائقہ نہیں آخر وہ تمہارے بھائی بند تو ہیں برائی کرنے والے اور بھلائی کرنے والے دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے۔ اللہ چاہتا تو اس معاملے میں تم پر سختی کرتا مگر وہ صاحب اختیار ہونے کے ساتھ صاحب حکمت بھی ہے۔

(قل العفو) کی آیات مبارکہ میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور کمزوروں کے حقوق کے بارے میں وضاحت کی اور اُن کا رہنا سہنا مشترک رکھنے کی ہدایت کی ہے۔

علامہ قل العفو کی تشریح کو اپنے کلام میں اشتراکیت کے حوالے سے اس طرح بیان فرماتے ہیں

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار!

اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار!
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار
قرآں میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرفِ قُلِ العَفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

فلسفہ قرآن کی روشنی میں علامہ کے نظریات کا جائزہ لینے سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو چکی ہے کہ علامہ کے نظریات کیا ہیں۔ آیا معاشرہ اُن کے نظریات کو قبول کرنے کو تیار ہو گا یا صرف ہمارے ارباب اختیار اور سرمایہ دار حضرت علامہ کو اُن کے چند اشعار تک محدود کر دیں گے یا اپنے نظریاتی سانچوں میں علامہ کی فکر کو ڈھالنے کی کوششوں کو جاری رکھیں گے جس میں فرنگیوں کی پشت پناہی اور کلیسائی نظام کی جھلک واضح طور پہ نظر آتی ہے علامہؒ فرمان خدا کی صورت میں معاشرے کو ایک پیغام اس طرح بھی دیتے ہیں۔ جس میں جوش و ولولہ پایا جاتا ہے۔

فرمانِ خدا

(فرشتوں سے)

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کُنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

حق را بسجودے، صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دَیر بجھا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو
تہذیب نوی کارگہِ شیشہ گراں ہے!
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو

اسی لیے فکر اقبال آج کے دور میں آفاقی حثیت اختیار کر چکی ہے۔
جہاں علامہ کی فکر پر پاکستان، ایران ترکی چین جرمنی جیسے ممالک میں تحقیق کا کام جاری ہے اس طرح روس کے اسکالرز نے علامہ کی فکر پر لاتعداد مضامین لکھے ہیں۔

اور کچھ مضامین کتابی شکل میں آئے ہیں بعنوان۔

THE WORK OF MOHAMMED IQBAL

A Collection of Articles by

Soviet Scholars

ہیں طالب علموں کی آسانی کے لیے کچھ اقتبات مندرجہ ذیل ہیں۔

What did thinkers of the East have to say about social development and revolution? This subject has been very little studied. Available research material and literature indicate, however, that they began to identify different types of liberation and social revolutions only under the influence of the 1917 October Socialist Revolution in Russia. For a long time many of them thought that the Russian revolution was a liberation revolution. Iqbal was one of those who were aware from the very start of the profound social significance of the changes taking place in Russia. To him, social transformations were revolutionary only if they put an end to colonial and social exploitation. A

But one should not forget that Iqbal's entire interpretation of a liberation and social revolution rested on his philosophy of the transforming role of Islam and a "revolution of consciousness" (8, p. 112; 9, pp. 211–216).

In his book *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Iqbal said that he viewed evolution as the shaping of a new system and not as a renovation of the one. He criticized the European doctrine of evolution primarily because it substituted the idea of renovation for that of *becoming:* "This eternal repetition is not eternal 'becoming'; it is the same old idea of 'being' masquerading as 'becoming'." (16, p. 186). B

In his view, the materialistic concept of development had some advantages over the idealistic concept. "Modern atheistic socialism, which possesses the fervour of a new religion, has a broader outlook; but having received its philosophical basis derived from the Hegelians of the left wing, it rises in revolt against the very sources which could have given it strength and purpose," he wrote (16, p. 187).

Opposing his own ideas about the constructive character of Islam to bourgeois Western socialist models of evolutionary and revolutionary development, Iqbal wrote: "Modern society with its bitter class struggles ought to set us thinking, and if we study our (Islamic) laws in reference to the impending revolution in modern economic life, we are likely to discover in the foundational principles hereto unrevealed aspects, which we can work out with renewed faith in the wisdom of these principles." (16, p.170).

Iqbal regarded the oppressed working people as the motive force of the Russian revolution, and he welcomed this. Of course we are far from suggesting that the religious thinkers was aware of the proletarian character of the Russian revolution, but we have no doubt that when Iqbal spoke of the oppressed he included workers among them. He had written that a new era – "the era of workers" – had set in.

For Iqbal, the people was not a uniform mass; he distinguished between the exploiters and the exploited, and he recognized that the struggle between the two was inevitable. To him the exploiters were the feudals and the capitalists alike, and the exploited were the workers and C

peasants.

He noted that the workers played the main role in the Russian revolution, and he linked revolutionary changes in other countries with the political activities of the working class. In his much-quoted poem *Khizr-Rah,* which produced quite a sensation in the 1920s, he wrote: "Go to the workers and give them my message. And what is Khizr's message? It is a message to the whole world. The hands of the one (the worker) who creates wealth receive as much reward as is given out in alms to others by the rich."

This is followed by a poetic appeal to the worker:

"Arise! There is a new order in the world!

Your era has begun in the East and in the West." (5, p. 209).

Like all other progressive Oriental thinkers, Iqbal believed that the intelligentsia had a significant role to play in society. Unlike many of his contemporaries, however, he pointed out that among members of the intelligentsia there were those who voiced the strivings and ideas of their people and there were cunning politicians who upheld the interesfs of the rich Early in his career as a poet, philosopher and political figure he appealed mostly to educated people whose consciousness he sought to awaken.

In Iqbal's view, patriotically-minded intellectuals should awaken and unite the people and lead them in the fight against the exploiters. This position essentially stems from his approach to the problem of relations between the individual and society.

Advocating unity of all the impoverished and oppressed, Iqbal repeatedly pointed to the danger of national and religious conflicts which he said were incited by the exploiters who wished to preserve their dominant position. In *Khizr-e Rah* he said:

"Onto the workers pass the message and instruction –
a voice it carries of all worlds and times and generations.
The slaves have been deceived by those crafty rich...
The masters wish you all to stay in stupefaction
with enmity of races, faiths, traditions and beliefs."

The question of Iqbal's attitude towards revolutionary struggle of the peoples of the East is a most complex one. Firstly, when he welcomed the dawn of a revolutionary era in the East, what he had in mind was essentially Islamic type

of revolution. Secondly, he constantly expressed his misgiving that the peoples of the East were not ready for a revolution. Thirdly, he thought that Indian Muslims ought to seek independence from the colonialists so as to set up a state separate from Hindu India and to prepare for the revolutionary transformations in the process.

Noting the differences between the revolutions in Europe and in Russia, Iqbal stressed that the revolutions in the East would differ from them both in their ethical orientation. However, he believed that the revolution in the East should be closer in character to the Russian revolution, especially since its aim was to establish socialism – socialism in harmony with the spirit of Islam, of course.

The Indian Marxist scholar Muhammad Ashraf, who has also described Iqbal's ideas about social justice and about the ideal state as a social Utopia, points out that the poet "played an important role in awakening the consciousness of the poor, and many among the younger generation, like Faiz, have chosen a genuinely revolutionary path thanks to his teaching". (1, p. 140).

Iqbal's social ideals reflect the many complexities which the middle strata in colonial India encountered in their search for progressive ideas. As an opponent of imperialist oppression, social injustice and exploitation Iqbal remained to the end of his life in the ranks of progressive-minded people of the huge sub-continent of India and Pakistan and of the whole East.

مولوی معنوی اپنی مثنوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسن سلوک جو مسکینوں غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ تھا وہ بیان فرماتے ہیں۔ اور ایک قدیم اشتراکی تصور مولانا روم رح معاشرے کے سامنے اپنی مثنوی میں پیش کرتے ہیں کہ جو کچھ پہنوں دوسروں کو بھی ویساہی دو جو تم میں کم حیثیت میں ان پر انفاق کرو۔ جس طرح آنحضرت صلعم کرتے تھے۔

زاں خوانم من غلاماں را کہ من
میخورم بر خوان خاص خویشتن

(۱) زاں خوارتم بندگان را از طعام
کہ خورم من خود ز پختہ یا کہ خام

من چہ پوشم از خز و اطلس لباس
زاں بپوشانم حشم را نے پلاس

شرم دارم از نبیؑ ذو فنون
البسوہم گفت مما تلبسون

---

(۱) دفتر ششم جلد ہفدیم صفحہ ۱۰۲
مثنوی مولوی معنوی (مولانا رومؒ)

مصطفےؐ کرد ایں وصیت بانبوں
اُطْمِیعُوا الْاَذْنَابَ ثَمَّ تَاکلو!!

اہلِ ضروان کے واقعہ کے علاوہ ایک اور جگہ مولوی معنوی زرعی حوالے سے ذاتی ملکیت کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ اپنی مثنوی میں زمیندار کو تلقین کرتے ہیں کہ اپنا اناج غریبوں میں مساوی تقسیم کر دو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ پیداوار اور میوے سب حق نے غیب سے بے اندازہ اور بلاشبہ بھیجے ہیں۔ کسان کی مظلومی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسان کھیتوں میں کام کرتا ہے۔ خوب محنت کرتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ جتنی زیادہ محنت کرے گا۔ اتنی ہی فصل اچھی ہوگی مگر اُس کا پیٹ پھر بھی نہیں بھرے گا کیوں وہ زمیندار کے استحصال کا شکار ہے۔ اسی لیے حصول رزق کے لیے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیے ہوتے ہے۔

تا جماند بر شما کشت و ثمار

دو پناہ طاعتِ حق استدار

دخلہا و میوہا جملہ زغیب

حق فرستادست بے تخمین و ریب

در محلّ دخل اگر خرچے کنی

درگہ سود ست بر سودے زنی

ترک اغلب دغل را در کشت زار
باز کارد چوں و لیست اصلِ ثمار

(۱) بشیر کار دخود دزاں اند کے
کہ ندارد او بروبیوں شکے
زاں بیفشاند بکشتن ترک دست
کاں غلہ اش ہم زاں زمیں حاصل شدہ ست

---

۱ ۔ دفتر پنجم حصہ اوّل
مثنوی مولوی معنوی

تصورِ ملّت و ریاست

آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت انسانِ کامل معاشرے کو ملت کا کیا تصور دیا آیا آج کے دایان اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور ملّت پر عمل کر رہے ہیں ۔

کیونکہ ملت اسلامیہ کسی مخصوص ملک یا جغرافیائی حدود تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک اخلاقی و انسانی تحریک ہے جو اس کائنات پر محیط ہے ۔ اگر ملت کے تصور کو ہم محدود زاویہ نگاہ سے نکال کر اُس کو آفاقی حیثیت میں دیکھیں تو وہاں اسلامی مفہومِ ریاست بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ آج کے دور میں ہمارے پیر مذاہب اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کا غلط اور خود ساختہ تصور پیش کر رہے ہیں وہ اس حقیقی تصور کے برعکس ہے ۔

ہمارے نزدیک دین اسلام نسلی وقومی نہیں بلکہ خالص انسانی دین ہے جو تمام مقامی ، وطنی ، قومی نسلی امتیازات کو اپنے اندر جذب کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ یہ انسانیت نواز اصولوں کا مجموعہ اپنی بے پناہ وسعتوں کی وجہ سے بین المملکتی یا بین الاقوامی اسلامی

برادری حدود سے بھی آگے بڑھتے ہوئے کفر پرستوں کو بھی ایک حد تک اپنے آغوش شفقت میں لینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

علامہ نے اپنی ساری تصانیف میں ملت اِسلام کو صرف اپنے ہی خاص زوایہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور جابجا اس قوم کو مستقبل کی بہترین قوم قرار دیا ہے۔ سب سے بڑی دلیل جو اس سلسلے میں پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں وسیع ترین انسان برادری اور قوم کا جو خیال" ملت اسلامیہ نے پیش کیا ہے وہ کسی اور نظام اور گروہ میں نہیں ملتا اسلام کی حدود بہت وسیع ہیں اس کی ہیت غیر محدود اور لامتناہی ہے۔ اس کا وجود زماں و مکاں کی قیود سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ اُس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تنہ یہی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے۔ جس میں بڑھتے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔ اسی لیے اسلامی قومیت کا تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے اُس کا اصل مقصد و اصول مظاہر کائنات کے متعلق ایک اتحادِ خیال ہے جو سب انسانوں کو ایک رشتہ وحدت میں پرو سکتا ہے قطع نظر اِس بات کے کہ اُس کے ماننے والے افریقہ کی کالی دنیا سے متعلق یا ریگستان بطحا کے شجاع عرب۔ گنگا کی وادیوں میں بسنے والے آریا یا پامیر کے بلند کوہساروں کے مکیں۔ کوئی قید اُن میں تفرقہ نہیں ڈال سکتی اور کوئی نسل و زبان کا امتیاز اُن میں باہمی امتیاز کا باعث نہیں ہو سکتا یہی معاشرتی قانون ہے جس کی وسعت اور ہمہ گیری کا اقبال کو یقین ہے اور یہی نکتہ

ہے جسے اقبال سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں۔

(۹) "اسلام قید وطن سے آزاد ہے اس کا مقصد ہے ایک ایسے انسانی معاشرے کی تشکیل جو مختلف نسلوں اور قوموں کو باہم جمع کرتے ہوئے ایک ایسی امت تیار کرے جس کا اپنا ایک مخصوص شعورِ ذات ہو۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

ترجمہ: اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امّت وَسَط (معتدل مزاج) بنایا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

"امت وسط" کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ جو عدل و انصاف اور وسط کی روش پر قائم ہو جو دنیا کی قوموں کے درمیان مدد کی

حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق نا روا تعلق کسی سے نہ ہو۔

آخر میں اس آیت مبارکہ میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو تم پر گواہ بنا دیں گے۔ یعنی امت وسطہ کی بنیاد اور اس کا معتدل، مزاج اور اعلیٰ قوم ہونا اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ لوگ سیرت محمدیہ کے اسرار رموز سے صحیح طور پر واقف ہوں۔ آپ کی ولا دت وبعثت صرف ایک نبی ایک امت ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش ہے۔ اس لئے آپ کی شخصیت مبارکہ کے آثار اس دنیا کے چپے چپے پر موجود اور اس کے ذرے ذرے میں سرایت کیئے ہوئے ہیں اور دنیا اپنے عقیدے، انداز فکر تہذیب تمدن، اخلاق و معاشرت اور علم ثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ اس سے الگ کر دیئے جائیں تو وہ اپنے بہترین سرمائے اور اثاثہ سے محروم ہو جائے گی بہر حال اب دیکھنا یہ ہے کہ علامہ اور مولوی معنوی کے افکار ملت و ریاست اور حکومت کے حوالے سے کیا ہیں۔ اس پر مکمل بحث کرنے سے پہلے ہم علامہ کا ایک طویل مقالہ بعنوان جغرافیائی حدود اور مسلمان نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اقبالیات کے طالب علم کو آگے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

جغرافیائی حدود اور مسلمان (۱)

میں نے اپنے مصرع

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است

میں لفظ "ملت" قوم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی میں یہ لفظ اور بالخصوص قرآن مجید میں "شرع" اور "دین" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن حال کی عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں بکثرت سندات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت قوم کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ میں نے اپنی تحریروں میں بالعموم ملت بمعنی قوم ہی استعمال کیا ہے لیکن چونکہ لفظ ملت کے معنی زیر بحث مسائل پر چنداں مؤثر نہیں۔ اس واسطے اس بحث میں پڑے بغیر ہی تسلیم کرتا ہوں کہ مولانا حسین احمد کا ارشاد یہ تھا کہ اقوام اوطان سے بنتی ہیں۔

فرنگی نظریۂ وطنیت

مجھ کو حقیقت میں مولانا کے اس ارشاد پر بھی اعتراض نہیں۔ اعتراض کی گنجائش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ کہا جائے کہ زمانہ حال میں اقوام کی تشکیل اوطان سے ہوتی ہے اور ہندی مسلمانوں کو مشورہ دیا جائے کہ وہ اس نظریہ کو اختیار کریں ایسے مشورہ

---

(۱) مقالات اقبال

سے قومیت کا جدید فرنگی نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے جس کا ایک اہم دینی پہلو ہے۔ جس کی تنقید ایک مسلمان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ میرے اعتراض سے مولانا کو یہ شبہ ہوا کہ مجھے کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈہ مقصود ہے۔ حاشا وکلّا میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب کہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب بھی ہو گئی اور اس کی انتہا یہ ہے کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کے بعض دینی پیشوا بھی اس کے حامی نظر آتے ہیں۔ زمانہ کا الٹ پھیر بھی عجیب ہے۔ ایک وقت تھا کہ نیم مغرب زدہ پڑھے لکھے مسلمان تفرنج میں گرفتار تھے اب علما اس لعنت میں گرفتار ہیں۔ شاید یورپ کے جدید نظریئے ان کے لیئے جاذب نظر ہیں۔ مگر افسوس ؎

تو نہ گردد کعبہ را رخت حیات گر ز افرنگ آیدش لات و منات

سیاسی لٹریچر میں وطن کا مفہوم

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ مولانا کا یہ ارشاد کہ اقوام اوطان سے

بنتی ہیں، قابل اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ قدیم الایام سے اقوام اوطان
کی طرف اور اوطان اقوام کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہم
سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ہم سب کرۂ ارضی کے
کے اس حصّہ میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے موسوم ہے
علیٰ ہذا القیاس چینی، عربی، جاپانی، ایرانی وغیرہ" وطن" کا لفظ جو اس
قول میں مستعمل ہوا ہے محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور اس
حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا۔ اس کے حدود آج
کچھ ہیں اور کل کچھ۔ کل تک اہل برما ہندوستانی تھے اور آج برمی (۱)
ہیں۔ ان معنوں میں ہر انسان فطری طور پر اپنے جنم بھوم سے محبت
رکھتا ہے اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لئے قربانی کرنے کو تیار رہتا
ہے۔ بعض نادان لوگ اس کی تائید کرتے ہیں "حب الوطن من الایمان"
کا مقولہ حدیث سمجھ کر پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت
نہیں، کیونکہ وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس کی پرورش
کے لئے اثرات کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر زمانہ حال کے سیاسی
لٹریچر میں وطن کا مفہوم محض جغرافیائی نہیں بلکہ وطن ایک اصول ہے
ہئیت اجتماعیہ انسانیہ کا اور اس اعتبار سے ایک سیاسی تصوّر ہے.
چونکہ اسلام بھی ہئیت اجتماعیت انسانیہ کا ایک قانون ہے، اس
لئے جب لفظ "وطن" کو ایک سیاسی تصوّر کے طور پر استعمال کیا
جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔

مقالات اقبال (سید عبدالواحد)

(۱) جغرافیائی حدود اور مسلمان

اسلام اور ہیئت الاجتماعیہ انسانیہ

مولانا حسین احمد صاحب سے بہتر اس بات کو کون جانتا ہے کہ اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔ بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو نامعقول و مردود ہے۔ اس کلیہ سے بعض سیاسی مباحث پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا ہندوستان سے خاص تعلق ہے۔ مثلاً یہ کہ کیا مسلمان اور قوموں کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے، یا ہندوستان کی مختلف قومیں یا ملتیں ملکی اغراض کے لئے متحد نہیں ہو سکتیں وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ میرا مقصد اس وقت صرف مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے قول کے دینی پہلو کی تنقید ہے اس لیے میں ان مباحث کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوں۔

اسلام واحد جماعتی نظام ہے

اسلام کے مذکورہ بالا دعوے پر عقلی دلائل کے علاوہ تجربہ بھی شاہد ہے اوّل یہ کہ اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں

مقالات اقبال (سید عبدالواحد)

و جغرافیائی حدود اور مسلمان۔

نہیں آسکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے، اس کی رُو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں، بلکہ عام بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد و عادل ہے کہ قدیم زمانہ میں "دین" قومی تھا، جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندیوں کا بعد میں نسلی قرار پایا۔ جیسے یہودیوں کا مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے جس سے بدبخت یورپ میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ دین چونکہ پرائیویٹ عقائد کا نام ہے اس واسطے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف سٹیٹ ہے۔ یہ اسلام ہی تھا۔ جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے، نہ نسلی ہے، نہ انفرادی، نہ پرائیویٹ، بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منتظم کرنا ہے۔ ایسا دستور العمل قوم اور نسل پہ بنا نہیں کیا جا سکتا نہ اس کو پرائیویٹ کہہ سکتے ہیں بلکہ اس کو صرف معتقدات پر ہی مبنی کیا جا سکتا ہے۔ صرف یہی ایک طریق ہے جس سے عالم انسان کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو ایک ملت کی تشکیل اور اس کے بقا کے لیے ضروری ہے۔ کیا خوب کہا ہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ع

ہم دلی از ہم زبانی بہتر است

مسلمانوں کو بروقت تنبیہ

اس سے علیحدہ رہ کر جو اور راہ اختیار کی جائے وہ راہ لادینی ہوگی اور شرف انسانی کے خلاف ہوگی اور یورپ کی اقوام علیحدہ علیحدہ ہوگئیں تو اُن کو اس بات کی فکر ہوئی کہ قومی زندگی کی اساس کیا قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ مسیحیت ایسا اساس نہ بن سکتی تھی ۔ انہوں نے یہ اساس وطن کے تصور میں تلاش کی۔ کیا انجام ہوا اور ہورہا ہے ان کے اس انتخاب کا؛ لوتھر کی اصلاح غیر سلیم عقلیت کا دور، "اصول دین" کا اسٹیٹ کے اصولوں سے افتراق بلکہ جنگ، یہ تمام قوتیں یورپ کو دھکیل کر کس طرف لے گئیں؛ لادینی، دہریت، اور اقتصادی جنگوں کی طرف۔ کیا مولانا حسین احمد یہ چاہتے ہیں کہ ایشیا میں بھی اسی تجربہ کا اعادہ ہو؟ مولوی صاحب زمانہ حال میں "قوم" کے لیے "وطن" کی اساس ضروری سمجھتے ہیں۔ بیشک زمانہ حال نے اس اساس کو ضروری سمجھا ہے مگر صاف ظاہر ہے کہ یہ کافی نہیں ۔ بلکہ بہت سی اور قوتیں بھی ہیں جو اس قسم کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً دین کی طرف سے بے پروائی، سیاسی روزمرہ مسائل میں انہماک اور علیٰ ہذا القیاس اور دیگر مؤثرات جن

---

(۱) جغرافیائی حدود اور مسلمان

مقالہ علامہ اقبال

کو مدبّرین اپنے ذہن سے پیدا کریں تاکہ ان ذرائع سے اس قوم میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ مولوی صاحب اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ اگر ایسی قوم میں مختلف ادیان و ملل بھی ہوں تو رفتہ رفتہ وہ تمام ملتیں مٹ جاتی ہیں اور صرف لادینی (۱) اس قوم کے افراد میں وجہ اشتراک رہ جاتی ہے۔ کوئی دینی پیشوا تو کیا، ایک عام آدمی بھی جو دین کو انسانی زندگی کے لیے ضروری جانتا ہے، نہیں چاہتا کہ ہندوستان میں ایسی صورت حال پیدا ہو۔ باقی رہے مسلمان سو افسوس ہے کہ ان سادہ لوحوں کو اس نظریہ وطنیت کے لوازم اور عواقب کی پوری حقیقت معلوم نہیں۔ اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بحیثیت ایک سیاسی تصوّر کے یک جا رہ سکتے ہیں تو میں مسلمانوں کو بر وقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اوّل تو لادینی ہوگا اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پروائی۔

مولانا حسین احمد کا نظریہ وطن

مگر جو فتنہ مولانا حسین احمد کے ارشاد میں پوشیدہ ہے وہ زیادہ وقت نظر کا محتاج ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ

جغرافیائی حدود اور مسلمان

۱ مقالہ علامہ اقبال

(۱) قارئین مندرجہ ذیل سطور کو غور سے پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ مولانا حسین احمد عالم دین ہیں اور جو نظریہ انہوں نے قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ امت محمدیہ کے لیے اس کے خطرناک عواقب سے وہ بے خبر نہیں ہو سکتے، انہوں نے لفظ قوم استعمال کیا یا لفظ ملت، بہر اس لفظ سے اس جماعت کو تعبیر کرنا، جو اُن کے تصوّر میں امت محمدیہ ہے اور اس کی اساس وطن قرار دینا ایک نہایت دل شکن اور افسوسناک امر ہے۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس تو ہوا۔ لیکن یہ احساس اُن کو غلطی کے اعتراف یا اس کی تلافی کی طرف نہیں لے گیا۔ انہوں نے لفظی اور لغوی تادیل سے کام لے کر عذر گناہ بدتر از گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ ملّت اور قوم کے لغوی فرق و امتیاز سے کیا تسلی ہو سکتی ہے۔ ملّت کو قوم سے ممتاز قرار دینا ان لوگوں کی تشفی کا باعث تو ہو سکے، جو دین اسلام کے حقائق سے ناواقف ہیں، واقف کار لوگوں کو یہ قول دھوکا نہیں دے سکتا۔ ۱

دو خطرناک نظریئے

آپ نے سوچا نہیں کہ آپ اس توضیح سے دو غلط اور خطرناک نظریئے مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

---

۱ جغرافیائی حدود اور مسلمان
مقالہ علامہ محمد اقبال

ایک یہ کہ مسلمان بحیثیت قوم اور ہو سکتے ہیں اور بحیثیت ملّت اور، دوسرا یہ کہ از روئے قوم چونکہ وہ ہندوستانی ہیں، اس لئے مذہب کو علیحدہ چھوڑ کر انہیں باقی اقوام ہند کی قومیت یا ہندوستانیت میں جذب ہونا چاہیئے۔ یہ صرف قوم اور ملّت کے الفاظ کا فرق ہے ورنہ نظریہ وہی ہے جس کا اُوپر ذکر ہوا اور جس کے اختیار کرنیکے لیے اس ملک کی اکثریت اور اس کے رہنما آئے دن یہاں کے مسلمانوں تلقین کرتے رہتے ہیں۔

یعنی یہ کہ مذہب اور سیاست جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ اس ملک میں رہنا ہے تو مذہب کو محض انفرادی اور پرائیویٹ سمجھو اور اس کو افراد تک ہی محدود رکھو۔ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو کوئی دوسری علیحدہ قوم تصوّر نہ کرو اور اکثریت میں مدغم ہو جاؤ۔

مولانا کی زمین و آسمان

(ا) مولانا نے فرمایا ہے کہ میں نے لفظ ملّت اپنی تقریر میں استعمال نہیں کیا۔ میں ملّت کو وطنی قوم سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا اگر قوم زمین ہے تو ملّت بمنزلہ آسمان ہے لیکن معناً اور عملاً آپ نے ملّت کی اس ملک میں کوئی حیثیت نہیں چھوڑی اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کو یہ وعظ فرمادیا۔

جغرافیائی حدود اور مسلمان

ل مقالہ علامہ محمد اقبال

ہے کہ ملک و سیاست کے اعتبار سے اکثریت میں جذب ہو جاؤ۔ قوم قومیت کو آسمان بناؤ۔ دینِ فطرت زمین بنتا ہے تو بننے دو۔

مولانا نے یہ فرض کر کے کہ مجھے قوم اور ملّت کے معنی میں فرق معلوم نہیں اور شعر لکھنے سے پہلے جہاں میں نے مولانا کی تقریر کی اخباری رپورٹ کی تحقیق نہ کی وہاں قاموس کی ورق گردانی بھی نہ کر سکا، مجھے زبان عربی سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ یہ طعنہ سر آنکھوں پر، لیکن کیا اچھا ہوتا اگر میری خاطر نہیں تو عامۃ المسلمین کی خاطر قاموس سے گزر کر قرآن حکیم کی طرف رجوع کر لیتے اور اس خطرناک اور غیر اسلامی نظریہ کو مسلمانوں کے سامنے رکھنے سے پیشتر خدائے پاک کی نازل کردہ وحی سے بھی استشہاد فرماتے۔ مجھے تسلیم ہے کہ میں عالم دین نہیں نہ عربی زبان کا ادیب ؎ ۱

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

قاموس اور قرآن پاک

لیکن آپ کو کون سی چیز مانع آئی کہ آپ نے صرف قاموس

---

۱ جغرافیائی حدود اور مسلمان
علامہ محمد اقبال

پر اکتفا کی، کیا قرآن پاک میں سینکڑوں جگہ لفظ قوم استعمال نہیں ہوا؟ کیا قرآن میں ملّت کا لفظ متعدد بار نہیں آیا؟ آیات قرآن میں قوم و ملّت سے کیا مراد ہے اور کیا جماعت محمدیہ کے لیے ان الفاظ کے علاوہ لفظ امت بھی آیا ہے یا نہیں؟ کیا ان الفاظ کے معانی میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک ہی قوم اس اختلاف معانی کی بنا پر ایسی مختلف حیثیتیں رکھے کہ دینی یا شرعی اعتبار سے تو وہ نوامیس الٰہیہ کی پابند ہو اور ملکی و وطنی اعتبار سے کسی ایسے دستور العمل کی پابند ہو جو ملّی دستور العمل سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر مولانا قرآن سے استشہاد کرتے تو اس مسئلہ کا حل خود بخود ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ آپ نے الفاظ کی جو لغت بیان فرمائی وہ بہت حد تک درست ہے۔ قوم کے معنی جماعۃ الرجال فی الاصل دون النساء ہے۔ گویا لغوی اعتبار سے عورتیں قوم میں شامل نہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں جہاں قوم موسیٰ و قوم عاد کے الفاظ آئے ہیں۔ وہاں ظاہر ہے کہ عورتیں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ملّت کے معنی بھی دین و شریعت کے ہیں لیکن سوال ان دونوں لفظوں کے لغوی معانی کے فرق کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان

(۱) اولاً اجتماعی اعتبار سے واحد و متحد اور معرف جماعت ہیں

---

(۱)

جو نسل و ملک یا رنگ و بستان کے مقتضیات کے ماتحت اپنی ملّی وحدت چھوڑ کر کسی اور نظامِ قانون کے ماتحت کوئی اور ہیئت اجتماعیہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

ثانیاً کیا ان معنوں میں بھی قرآن حکیم نے اپنی آیات کو کہیں لفظ قوم سے تعبیر کیا ہے؛ یا صرف لفظ ملّت یا امت ہی سے پکارا ہے۔ ثالثاً اس ضمن میں وحی الٰہی کی دعوت کس لفظ کے ساتھ ہے۔ کیا یہ کسی آیت قرآنی میں آیا ہے کہ اے لوگو! یا اے مومنو! قوم مسلم میں شامل ہو جاؤ یا اس کا اتباع کرو یا یہ دعوت صرف ملّت کے اتباع اور امت میں شمولیت کی ہے۔

قرآن کریم میں ملّت کا مفہوم

جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن حکیم میں جہاں جہاں اتباع و شرکت کی دعوت ہے وہاں صرف لفظ ملّت یا امّت وارد ہوا ہے۔ کسی خاص قوم کے اتباع یا اس میں شرکت کی دعوت نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

ومن احسن دیناً لمن اسلم وجہہ اللہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً واتبعت ملت آبائی ابراھیم فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفاً۔

اور یہ اتباع و اطاعت کی دعوت اس لئے ہے کہ ملّت نام ہے ایک دین کا ایک شرع و منہاج کا۔

قوم چونکہ کوئی شرع و دین نہیں ہے۔ اس لئے اس کی طرف

دعوت اور اس سے منسلک کی ترغیب عبث تھی۔ کوئی گروہ ہو، خواہ وہ قبیلہ کا ہو، نسل کا ہو، ڈاکوؤں کا ہو، تاجروں کا ہو، ایک شہر والوں کا ہو، جغرافیائی اعتبار سے ایک ملک یا وطن والوں کا ہو، وہ محض گروہ ہے۔ رجال کا یا انسانوں کا، وحی الہٰی یا نبی کے نقطۂ خیال سے ابھی وہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ اگر وہ وحی یا نبی اس گروہ میں آئے تو وہ اس کا پہلا مخاطب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف منسوب بھی ہوتا ہے۔ قوم نوحؑ، قوم موسیٰؑ، قوم لوطؑ، لیکن اگر اسی گروہ کا مقتداء کوئی بادشاہ یا سردار ہو تو وہ اس کی طرف بھی منسوب ہوگا۔ مثلاً قوم عاد، قوم فرعون۔ اگر ایک ملک میں دو گروہ اکٹھے ہو جائیں اور اگر وہ متضاد قسم کے رہنماؤں کے گروہ ہوں تو وہ دونوں سے منسوب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جہاں قوم موسیٰؑ تھی وہاں قوم فرعون بھی تھی۔ قال الملاء من قوم فرعون انتم موسیٰ وقومہٗ۔

لیکن ہر مقام پر جہاں قوم کہا گیا وہاں وہ گروہ مخاطب تھا جو ابھی ہدایت یافتہ اور غیر ہدایت یافتہ سب افراد پر مشتمل تھا۔ جو افراد پیغمبر کی متابعت میں آتے گئے توحید تسلیم کرتے گئے، وہ اس پیغمبر کی ملّت میں آ گئے۔ اس کے دین میں آ گئے یا واضح تر معنوں میں مسلم ہو گئے۔ یاد رہے کہ دین اور ملّت کفار کی بھی ہوتی ہے۔ انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ۔ ایک قوم کی ایک ملّت یا اس کا منہاج تو ہو سکتا ہے، لیکن ملّت کی قوم کہیں نہیں آیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں ایسے افراد کو جو مختلف اور ملل سے نکل کر ملّت ابراہیمی میں داخل ہو گئے۔ ان کو داخل ہوتے

کے بعد لفظ قوم سے تعبیر نہیں کیا بلکہ امّت کے لفظ سے۔

بنی نوع آدم کی تقسیم

ان گزارشات سے میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے امّت کے سوا اور کوئی لفظ نہیں آیا۔ اگر کہیں آیا ہو، تو ارشاد فرمائیے۔ قوم رجال کی جماعت کا نام ہے اور یہ جماعت باعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن اور اخلاق ہزار جگہ اور ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ملّت سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنائے گی۔ گویا ملّت یا امّت جاذب ہے اقوام کی خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی۔

عہد حاضر کے ہندوستان کے علماء کو حالاتِ زمانہ نے وہ باتیں کرنے اور دین کی ایسی تاویلیں کرنے پر مجبور کر دیا ہے، جو قرآن یا نبی امّی کا منشا ہرگز نہ ہو سکتی تھی۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراہیم سب سے پہلے پیغمبر تھے جن کی وحی میں قوموں نسلوں اور وطنوں کو بالائے طاق رکھا گیا۔ بنی آدم کی صرف ایک تقسیم کی گئی۔ موحد و مشرک اس وقت سے لے کر دو ہی ملتیں دنیا میں ہیں، تیسری کوئی ملّت نہیں۔ کعبۃ اللہ کے محافظ آج دعوت ابراہیمی اور دعوت اسمٰعیلی سے غافل ہو گئے۔ قوم اور قومیت کی رو اوڑھنے والوں کو اس ملّت کے بانیوں کی وہ دعا یاد نہ آئی، جو اللہ کے گھر کی بنیاد رکھتے وقت ان دونوں پیغمبروں نے کی واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ط ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔ ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك۔

(و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک ۔)

الکفرۃ ملّت واحدہ

کیا خدا کی بارگاہ سے امت مسلمہ کا نام رکھوانے کے بعد بھی یہ گنجائش باقی تھی کہ آپ کی ہئیت اجتماعی کا کوئی حصہ عربی، ایرانی، افغانی انگریزی، مصری یا ہندی قومیت میں جذب ہو سکتا ہے۔ امت مسلمہ کے مقابل میں تو صرف ایک ہی ملت ہے اور وہ الکفر ملۃ واحدۃ کی ہے۔

امّت مسلمہ جس دین فطرت کی حامل ہے اس کا نام دین قیم ہے۔ دین قیم کے الفاظ میں ایک عجیب و غریب لطیفہ قرآنی مخفی ہے اور وہ یہ کہ صرف دین ہی مقوم ہے اس گروہ کے امور معاشی و معاوی کا جو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس کے نظام کے سپرد کرے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن کی رو سے حقیقی تمدنی یا سیاسی معنوں میں قوم، دین اسلام سے ہی تقویم پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن صاف صاف اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ کوئی دستور العمل جو غیر اسلامی ہو نا معقول و مردود ہے۔

ایک اور لطیفہ بھی مسلمانوں کے لیے قابل غور ہے کہ اگر "وطنیت" کا جذبہ ایسا ہی اہم اور قابل قدر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقارب اور ہم نسلوں اور ہم قوموں کو آپ سے پرخاش کیوں ہوئی۔ کیوں نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک ہمہ گیر معمولی ملت سمجھ کر بلحاظ قوم یا قومیت ابوجہل اور ابولہب کو اپنا بنائے رکھا اور ان

کی دلجوئی کرتے رہے۔ بلکہ کیوں نہ عرب کے سیاسی امور میں ان کے ساتھ قومیت قائم رکھی۔ اگر اسلام سے مطلق آزادی مراد تھی تو آزادی کا نصب العین تو قریش مکہ کا بھی تھا۔ مگر افسوس آپ اس نکتہ پر غور نہیں فرماتے کہ پیغمبر خدا کے نزدیک اسلام دین قیمؒ، امت مسلمہ کی آزادی مقصود تھی ان کو چھوڑنا، ان کو کسی دوسری ہئیت اجتماعیہ کے تابع رکھ کر کوئی اور آزادی چاہنا بے معنی تھا۔ ابوجہل اور ابولہب اُمت مسلمہ کو ہی آزادی سے پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتے تھے کہ بطور مدافعت ان سے نزاع در پیش آئی۔ محمدؐ (فداہ امیؒ وابیؒ) کی قوم آپ کی بعثت سے پہلے قوم تھی اور آزاد تھی لیکن جب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بننے لگی، تو اب قوم کی حیثیت ثانوی رہ گئی۔ جو لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں آ گئے وہ خواہ ان کی قوم میں سے تھے یا دیگر اقوام سے وہ سب امت مسلمہ یا ملت محمدیہ بن گئے۔ وہ ملک و نسب کے گرفتار تھے اب ملک و نسب ان کا گرفتار ہو گیا ؎

کسے کو پنجہ زد ملک و نسب را
نہ داند نکتۂ دین عرب را
اگر قوم از وطن بودے محمدؐ
نہ دادے دعوتِ دیں بولہب را

مقامِ محمدیؐ

حضورؐ رسالت مآب کے لیے یہ راہ بہت آسان تھی کہ آپ ابولہب یا ابوجہل یا کفار مکہ" سے یہ فرماتے کہ تم اپنی بُت پرستی پر قائم رہو مگر اس نسلی اور وطنی اشتراک کی بنا پر جو ہمارے تمہارے درمیان موجود ہے، ایک وحدت عربیہ قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر حضورؐ نعوذ باللہ یہ راہ اختیار کرتے تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک وطن دوست کی راہ ہوتی۔ لیکن نبی آخر الزماں کی راہ نہ ہوتی۔ نبوت محمدیہؐ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہؐ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ بنی نوع انسان کی اقوام کو باوجود شعوب وقبائل اور الوان والسنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے ان کو ان تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے جو زبان، مکان، وطن، قوم، نسل، نسب، ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں اور اس طرح اس پیکر خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے جو اپنے وقت کے ہر لحظہ میں ابدیت سے ہم کنار رہتا ہے۔ یہ ہے نصب العین ملّت اسلامیہ کا۔ اس کی بلندیوں تک پہنچنے تک معلوم نہیں، حضرت انسان کو کتنی صدیاں لگیں، مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اقوام عالم کی باہمی مغائرت دُور کرنے اور باوجود شعوبی، قبائلی، نسلی، لونی اور لسانی امتیازات کے ان کو یک رنگ کرنے میں جو کام تیرہ سو سال میں کیا ہے وہ دیگر ادیان سے تین ہزار سال

میں بھی نہیں ہو سکا۔ یقین کیجئے کہ دین اسلام ایک پوشیدہ اور غیر محسوس حیاتی اور نفسیاتی عمل ہے جو بغیر کسی تبلیغی کوششوں کے بھی عالم انسانی کے فکر و عمل کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے عمل کو حال کے سیاسی مفکرین کی جدت طرازیوں سے مسخ کرنا ظلم عظیم ہے بنی نوع انسان پر اور اس نبوت کی ہمہ گیری پر جس کے قلب و ضمیر سے اس کا آغاز ہوا۔

مولانا حسین احمد کے بیان کا وہ حصّہ جس میں آپ نے مدیر "احسان" سے اس بات کی تائید میں نص طلب کی ہے کہ ملّت اسلامیہ شرف انسانی اور اخوت بشری پر موسّس ہے بہت سے مسلمانوں کے لیے تعجب خیز ہوگا لیکن میرے لیے چنداں تعجب خیز نہیں۔ اس لئے کہ مصیبت کی طرح گمراہی بھی تنہا نہیں آتی۔ جب کسی مسلمان کے دل و دماغ پر وطنیت کا وہ نظریہ غالب آجائے جس کی دعوت مولانا دے رہے ہیں تو اسلام کی اساس میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ وطنیت سے قدرتاً افکار حرکت کرتے ہیں۔ اس خیال کی طرف کہ بنی نوع انسان اقوام میں اس طرح بٹے ہوئے ہیں کہ ان کا نوعی اتحاد امکان سے خارج ہے اور دوسری گمراہی جو وطنیت سے "ادیان" کی اضافیت کی لعنت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی یہ تصوّر کہ ہر ملک کا دین اس ملک کے لیے خاص ہے اور دوسری اقوام کے طبائع کے موافق نہیں۔ اس تیسری گمراہی کا نتیجہ سوائے لادینی اور دہریت کے اور کچھ نہیں۔

انسان کا نصب العین

یہ نفسیاتی تجزیہ ہے اس تیرہ بخت انسان کا جو اس روحانی جذام میں گرفتار ہو جائے باقی رہا نص کا معاملہ میں سمجھتا ہوں کہ تمام قرآن ہی اس کے لئے نص ہے۔ الفاظ شرف انسانی کے متعلق کسی کو دھوکا نہیں ہونا چاہیئے۔ اسلامیت میں ان سے مراد وہ حقیقت کبریٰ ہے جو حضرت انسان کے قلب و ضمیر میں ودیعت کی گئی ہے۔

یعنی یہ کہ اس کی تقویم فطرۃ اللہ ہے اور اس شرف کا غیر ممنون یعنی غیر منقطع ہوتا منحصر ہے۔ اس تڑپ پر جو توحید الٰہی کے لیے اس کے رگ و ریشے میں مرکوز ہے انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ ایک لا متناہی سلسلہ باہم آویزشوں کا، خونریزیوں کا اور خانہ جنگیوں کا کیا ان حالات میں عالم بشری میں ایک ایسی امت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن اور سلامتی پر موسس ہو؛ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ توحید الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشاء الٰہی مشہور کرنا انسان کا نصب العین قرار پائے۔ ایسے نصب العین کی تلاش اور اس کا قیام سیاسی تدبیر کا کرشمہ نہ سمجھئے، بلکہ یہ رحمۃ اللعالمین کی ایک شان ہے کہ اقوام بشری کو ان کے تمام خود ساختہ تفوقوں اور فضیلتوں سے پاک کر کے ایک ایسی امت کی تخلیق کی جائے جس کو امۃ مسلمۃ لک کہہ سکیں اور اس کے فکر و عمل پر شہداء علی الناس کا خدائی ارشاد صادق آسکے۔

قادیانی افکار کا نتیجہ

حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد یا ان کے دیگر ہم خیالوں کے افکار میں نظریہ وطنیت ایک معنی میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو قادیانی افکار میں، افکار خاتمیت کا۔ نظریہ وطنیت کے حامی، بالفاظ دیگر یہ کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وقت کی مجبوریوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی اس حیثیت کے علاوہ جس کو قانون الٰہی ابد الاباد تک متعین و متشکل کر چکا ہے، کوئی اور حیثیت بھی اختیار کرے جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کی اختراع سے قادیانی افکار کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس کی انتہا نبوت محمدیہ کے کامل اکمل ہونے سے انکار ہے بعینہٖ اسی طرح وطنیت کا نظریہ بھی وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور قادیانی "انکار خاتمیت" الٰہیات کا ایک مسئلہ ہے لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کی توضیح صرف اسی وقت ہو سکے گی جب کوئی دقیق النظر مسلمان مورخ ہندی مسلمان اور بالخصوص ان کے بعض بظاہر متعدد فرقوں کے دینی افکار کی تاریخ مرتب کرے گا۔

خاتمہ

اس مضمون کو خاقانی کے ان دو شعروں پر ختم کرتا ہوں جن میں اُس نے اپنے ان معاصر حکمائے اسلام کو مخاطب کیا ہے، جو حقائق اسلامیہ کو یونانی فلسفہ کی روشنی میں بیان کرنا فضل و کمال کی انتہا سمجھتے تھے۔ تھوڑے سے معنوی تغیر کے ساتھ یہ اشعار آج کل کے مسلمان سیاسی متکلمین پر بھی

صادق آتے ہیں۔

مرکب دین کہ زادہ عرب است
داغ یونانش بر کفل منہید
مشتے اطفال نو تعلّم را
لوح ادبار در بغل منہید

مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کا خاتمہ کرنا ہمارا فرض ہے اور اس آزادی سے ہمارا مقصد یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں بلکہ ہمارا اوّل مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائے۔ اس لئے مسلمان کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پہ ہوں، جن پہ انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟

ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتہً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالسلام بن جائے لیکن اگر آزادئ ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدترین جائے تو مسلمان ایسی آزادی وطن پہ ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا، بولنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا، جیل جانا، گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہے۔

علامہ رح کے مندرجہ بالا مقالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ہم صحیح

طور پر علامہ کے کلام کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک صحیح و جامع لائحہ عمل کا تعین کر سکتے ہیں جو اس کے بغیر ایک عام طالب علم کے لیے بہت مشکل مسئلہ تھا۔

حضرت علامہؒ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں۔

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام سے بہت پہلے مسیحیت نے نوع انسانی کو پیغام مساوات دیا تھا مگر مسیحی روما اپنے اندر یہ اہلیت پیدا نہ کر سکا کہ "بنی آدم اعضائے یک دیگر اند" کے تصور کا صحیح اور کامل ادراک کر سکتا۔"

چنانچہ عملاً نوع انسانی کو وطنی، نسلی، لونی، لسانی وغیرہ قیود کے پیدا کردہ تعصبات سے بلند کر کے ایک برادری میں ڈھال دینے کا شرف اسلام ہی کو حاصل ہوا اس لیے اگر جس قدر زیادہ غور کریں اس قدر کھل کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلم، ملت از روئے جذبہ و فکر کبھی منقسم نہیں ہوئی۔ مسلمان خواہ کہیں بھی ہوں اُن کے دل وحدت کے جذبے سے کبھی خالی نہیں ہوئے۔

مولوی معنوی حضرت مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں تصور ملت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مومنوں میں قدیم اتحاد کو سمجھو۔ مومن بظاہر الگ الگ شمار ہوتے ہیں۔ لیکن ایمان اُن سب کا ایک ہے۔ اُن کے جسم

The Reconstruction of Religious Thought in Islam ۱

متعدد ہیں مگر روح ایک ہے۔ (آگے مولانا روح مومن کی تعریف اسی طرح کرتے ہیں) پھر آدمی کی روح اور عقل کے علاوہ بنی اور وی ہیں اور اس طرح کی روح ہے کیوں کہ روح حیوانی اتحاد نہیں رکھتی تم روح حیوانی سے اتحاد کی امید نہ رکھو۔ روح حیوانی یہ ہے کہ اگر ایک فرد روٹی کھائے اور دوسرا فرد سیر نہیں ہوتا، اگر ایک فرد بوجھ اٹھائے تو دوسرا بوجھ محسوس نہیں کرتا بلکہ یہ ذی روح اس دوسرے ذی روح کی موت پر خوشی مناتا اور جب اس کے سروسامان کو دیکھتا ہے تو حسد سے مر جاتا ہے۔ اس لئے تم مسلمان ہو اور حیوانات مثلاً بھیڑیوں اور کتوں کی روح ایک دوسرے سے جدا ہے ہاں خدا کے شیروں کی ارواح متحد ہیں۔ میں نے اُن کی ارواح کو اسم جمع کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اس لیے وہ ایک روح متحد۔ اجسام کے ساتھ منسوب ہو کر سینکڑوں کی تعداد میں نمایاں ہو گئی ہے۔ جیسے آسمانِ آفتاب کی روشنی یعنی دھوپ ایک سو گھروں کے صحنوں سے منسوب ہو کر سو کی تعداد میں ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اگر تم دیوار اٹھا دو تو صحنوں کی تمام دھوپیں ایک ہو جائیں گی اسی طرح مومنین کے جسم ظاہری سے قطع نظر کرو تو سب کی روح ایک ہی ہے۔

مومناں معدود لیک ایماں یکے

جسمِ شاں معدود لیکن جاں یکے [۱]

---

۱ : مثنوی مولوی معنوی دفتر چہارم جلد اول صفحہ ۸۳

غیر فہم و جاں کہ در گاؤ خر است
آدمی را عقل و جان دیگر است
باز غیر عقل و جان آدمی
ہست جانے در نبی و در ولی
جان حیوانی ندارد اتحاد
تو مجو ایں اتحاد از روح باد
بلکہ ایں شادی کند از مرگ آں!
از حسد میرد چو بیند برگ آں!
جان گرگاں و سگاں از ہم جداست
متحد جانہائے شیران خداست
جمع گفتم جانہا شاں من باسم
کاں یکے صد جاں بود نسبت بجسم

۱۔ مثنوی مولوی معنوی دفتر چہارم جلد اول صفحہ ۸۳

ہمچو آں یک نور خورشید سما

صد بود نسبت بصحن خانہا

لیک یک باشد ہمہ انوار شاں

چونکہ برگیری تو دیوار از میاں

علامہ اقبال نے رموز بخودی میں ملت وقوم اور اسلام سے اُس کے تعلق کی نہایت عرفانہ تشریح کی ہے۔ اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کے پندرہ سو سال سے مسلمانوں میں جتنے مفکرین پیدا ہوئے مثلاً ابن خلدون علامہ سیوطی۔ الطبری، الرازی فارابی ورومی رح وغیرہ کوئی بھی علامہ اقبال رح کے پائے کی تشریح نہیں کر سکا علامہ نے واضح الفاظ میں اس بات کی وضاحت کر دی کہ ملّت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد توحید و رسالت پر رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اسے کسی مقام سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔

در معنی ایں کہ چوں ملّت محمدیہ موسّس بر توحید و

رسالت است پس نہایت مکانی ندارد

جوھر ما با مقامے بستہ نیست

بادۂ تندش بجائے بستہ نیست

هندی و چینی سفال جام ماست
رومی و شامی گل اندامِ ماست
قلب ما از هند و روم و شام نیست
مرز بوم او بجز اسلام نیست
من ندانم مرز و بوم او کجاست
این قدر دانم که با ما آشناست!
این عناصر را جهان ما شمرد
خویشتن را مهیان ما شمرد
زانکه ما از سینه جاں گم کرده ایم!
خویش را در خاکداں گم کرده ایم
مسلم استی دل بااقلیمے مبند
گم مشو اندر جهانِ چون و چند
می نگنجد مسلم اندر مرز و بوم
در دلِ اُو یاوه گردد شام و روم

دل بدست آور کہ در پہنائے دل
می شود گم ایں سرائے آب و گل

عقدۂ قومیت مسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود

حکمتش یک ملّت گیتی نورد
بر اساس کلمۂ تعمیر کرد

تا ز بخششہائے آں سلطانِ دیں
مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں

آں در قرآں خدا او را ستود
آں لفظ جان او موعود بود

دشمناں بے دست و پا از ہیبتش
لرزہ بر تن از شکوہِ فطرتش

۱۔ رموز بیخودی

پس چرا از مسکن آبا گریخت
تو گماں داری کہ از اعدا گریخت
قصہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند
معنی ہجرت غلط فہمیدہ اند
ہجرت آئین حیات مسلم است
ایں از اسباب ثبات مسلم است

علامہ رموز بےخودی میں فرماتے ہیں کہ ہماری ملّت کا جوہر کسی وجہ یا کسی مقام سے وابستہ نہیں ہے یہ ایک تند شراب ہے جسے کسی خاص جام کا پابند نہیں بنایا جاسکتا لیکن بے شک ہمارے وجود ہندی ۔ چینی رومی شامی مٹی سے بنے ہیں لیکن ہمارا قلب ہند، روم وشام سے نہیں اُس کا وطن ایمان واسلام کے سوا کچھ بھی نہیں ظاہر ہے جس ملّت کی بنیاد توحید ورسالت ہے وہ کسی خاص زمین سے وابستہ کیونکہ ہو سکتی ہے ۔ وہ تو اس کائنات کے تمام افراد اپنے اندر شامل کرے گی جو توحید ورسالت کے قائل ہیں اور سب یکساں اس ملّت کے افراد ہوں گے اس لیے کہ ہمارے جسم کسی بھی مٹی کے ہوں ۔ دلوں کا وطن صرف اسلام ہے ۔ علامہ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ حضور کا وطن کہاں ہے صرف اتنا جانتا ہوں کہ حضور ہم سے آشنا تھے ۔ حضور عناصر کے اس مجموعے

کو ہمارا جہاں شمار فرماتے تھے اور اپنے آپ کو ہمارا مہمان قرار دیتے تھے۔ ہمارے سینوں میں زندگی نہیں رہی ہم اپنے آپ کو مٹی کے اس گھروندے میں گم کر بیٹھے اگر تو مسلمان ہے تو دل کسی ایک ولایت سے وابستہ نہ کر اور چون چند کے اس جہاں میں گم نہ ہو کیوں کہ مسلمان کسی سرزمین کے اندر نہیں سماتا اس کے دل میں شام و روم خود گم ہو جاتے ہیں دل ہاتھ میں لے کیونکہ دل کی وسعت میں مٹی اور پانی کی یہ دنیا گم ہو جاتی ہے۔

علامہ ہجرت کی حقیقت وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن سے ہجرت کی اور اس طرح اسلامی قومیت کا عقیدہ کھول دیا یعنی آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو چھوڑ دیا۔ اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جن اعلیٰ مقاصد کی خاطر حضور صلعم خدا کے حکم کے مطابق سعی وجہد فرما رہے تھے اُن کا تقاضا یہی تھا۔ گویا دین کی راہ میں وطن کی حیثیت کچھ نہیں اسے بے تکلف چھوڑا جا سکتا ہے۔ لیکن دین جو انسانیت کے لیے اعلیٰ مقاصد کا حامل ہے نہیں چھوڑا جا سکتا اس سے واضح ہو گیا کہ مسلمان کی قومیت دین پہ مبنی ہو سکتی ہے وطن پہ نہیں۔ علامہ نے ہجرت سے یہی دلیل اخذ کی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت نے ایسی ملت کی بنیاد رکھی جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اور یہ بنیاد کلمہ توحید پہ رکھی کیونکہ توحید ہی تمام مسلمانوں کے درمیان سب سے بڑا بنیادی رشتہ ہے۔ پھر دین کے سلطان

آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش کیا کم ہے کہ روئے زمین کو ہماری سجدہ گاہ بنا دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف تو خود قرآن میں آئی ہے۔ خدا نے آپؐ سے حفاظت جان کا وعدہ کر لیا تھا قرآن مجید میں آیا۔

واللہ یَعۡصِمُكَ من النَّاس (سورۂ مائدہ)

"اور اللہ تمھیں انسانوں کے شر سے محفوظ رکھے" دشمن آپ کی ہیبت سے بے دست و پا ہو جاتے تھے اور آپ کی فطرت کا شکوہ اُن کے جسموں پر لرزہ طاری کر دیتا تھا۔

علامہ کہتے ہیں رسول اکرم نے صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے خوف سے وطن نہیں چھوڑا قصہ گو واعظوں نے سچی بات ہم سے چھپائی اور ہجرت کے معنی غلط بیان کر دیئے ہجرت تو در اصل مسلمان کی زندگی کا دستور العمل ہے یہ بھی ان اسباب میں سے ہے۔ جس سے ملت کے قدم مضبوط مستحکم ہوتے ہیں۔

رموز بیخودی میں ایک اور نظم میں علامہ فرماتے ہیں کہ وطن کی بنیاد ملت نہیں جن لوگوں نے وطن کو تنظیم ملت کا ذریعہ بنایا انھوں نے بھائی چارے کی جڑ کاٹ دی اور انسانوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے مولوی روم اپنی مثنوی میں اس کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ایں وطن مصر و عراق و شام نیست

ایں وطن شہر ہست کو را نام نیست

دراصل ملّت کے ٹکڑے ٹکڑے فرنگی تہذیب نے کر دیئے کیوں کہ ان کے نزدیک ملّت کا اتنا وسیع تصور موجود نہیں تھا۔ اس لئے علامہ فرماتے ہیں۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

جدید یورپی نظریئے کے مطابق عموماً قومیں وطن سے بنتی ہیں۔ مگر اسلام نے سب سے پہلے عملاً وطن ہی کو غیر اہم قرار دے دیا۔ نظریہ و فکر کو بنیادی اہمیت دی۔

عقدۂ قومیت مسلم کشود
از وطن آقاے کا ہجرت نمود!!
چیست ملّت اے کہ گوئی لا الہ
با ہزاراں چشم بودن یک نگہ
اہل حق را حجت و دعوی یکیست
خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکیست

ملت ما را اساس دیگر است
ایں اساس اندر دل ما مضمر است

علامہ اقبال نے جس قدر کھل کر ملّت کا صحیح و وسیع مفہوم بیان کیا اور کلیسائی فکر کی مخالفت کی اسی طرح سے طرز حکومت و ریاست کے بارے میں بھی اپنے نظریات پیش کیے۔ ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اللہ حکومت کے نظام کے بارے میں قرآن میں کیا فرما رہا ہے۔

اور علامہ اُس فلسفہ کی وضاحت کس طرح کر رہے ہیں۔ اگر ہم ریاست کے قدیم نظریات کو دیکھیں تو ہمارے ذہن میں ایک اہم اور بنیادی لفظ تھیوکریسی آتا ہے۔ جس سے مراد حکومت و ریاست کے تمام قوانین احکام خداوند سے منسوب کیے جاتے ہیں اور حاکم وقت کو خدا کا نائب قرار دیا جاتا ہے حاکم وقت خواہ کوئی بھی عمل کرے اُسے عمل خدا تصور کیا جاتا اگر قدیم تواریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھیں گے تھیوکریسی ہمیشہ سرمایہ دار طبقہ کی گود میں پروان چڑھی ہے۔

اور ظالم جابر بادشاہ ہمیشہ توہمات (مذہب) کا سہارا لے کر اور اپنے آپ کو خدا کا نائب ظاہر کر کے معاشرے پر ظلم کرتے رہے ہیں۔

فرانس کے انقلاب سے پہلے فرانس میں ملوکیت کا دور دورہ تھا جسے کلیسائی پشت پناہی حاصل تھی۔ یعنی اس نظام

میں سہارا مذہب لے کر اور حاکم وقت مذہبی پیشواؤں کو اپنے ساتھ ملا کر سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا تھا مگر بدلتے ہوئے دور میں جب انسان کا ذہنی ارتقاء اپنے عروج پر پہنچا تو باشعور لوگوں نے یہ بساط الٹ کر رکھدی ہمارے نظریے کے مطابق اللہ تعالیٰ مطلق العنان ہے۔ رحمان رحیم ہے لیکن وہ ریاستی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا۔ بلکہ علم قرانی کے مطابق باشعور افراد جن میں تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر موجود ہوں ریاست پر حکومت کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا رب عالمین ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے تھیوکریسی کے اس نظریہ کی نفی کر دی ہے کہ ریاست کا حاکم کا خدا کا نائب ہوتا ہے۔ بلکہ اس منزل پر اللہ تعالیٰ کی بلا شرکت غیر حاکمیت کا اعلان کیا گیا

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: "اور کہو تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا نہ کوئی بادشاہی میں اُس کا شریک ہے۔
اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو اور اُس کی بڑائی بیان کرو، کمال درجے کی بڑائی۔"

اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی امت کی فکری تربیت کے لیے انبیاء علیہ السلام کو بھیجتا ہے اور علم وحی کے ذریعے انسانوں کو صحیح معاشرتی اصولوں سے آگاہ کیا جاتا ہے اور اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسانوں کو اُن کے بنیادی حقوق ملیں۔ ان کا استحصال نہ ہو اور وہ اپنے آپ کو اخلاقی قدروں میں ڈھال کر اچھے نیک صفت انسان بنیں۔ حصول علم کے لیے تاعمر کوشش کرتے رہیں کیونکہ علم فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہئیں۔ یہ وہ بنیادی باتیں جس کا پیغام اسلام ہم کو دیتا ہے۔ کیونکہ یہ دین فطرت ہے۔ اسی لیے فطری قدروں کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنے کا واحد ذریعہ بنتا ہے۔ اسلام میں حکومتی معاملات میں جمہوریت و خلافت و تھیوکریسی نظام کی کہیں گنجائش موجود نہیں ہے۔

بلکہ صرف باشعور اور صاحب علم افراد کا طبقہ ہی معاشرے پر حکومت کرسکتا ہے۔ لیکن وہ بھی خدا کا نائب نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ ریاستی معاملات میں اپنی صلاحیتوں کو معاشرتی دور کے تقاضوں کے مطابق علم وحی کی روشنی میں حل کرتا ہے۔ مگر اُس کا ہر عمل خدا تعالیٰ کا حکم نہیں ہوسکتا۔ ہمارے پیر مذاہب دلائل کے لیے سورۃ نساء کی آیت مبارکہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس سے تھیوکریسی کو ثابت کیا جاسکے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ج

ترجمہ: اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی۔ اطاعت کرو رسول

کی اور صاحب امر کی جو تم میں ہوں۔

پیر مذاہب اس سے حاکم وقت کا تصوّر اخذ کرتے ہیں جب کہ ہر آیت مبارکہ کا شان نزول اور سبب نزول ہوتا ہے۔ جو لوگ کیفیت آیات سے ناواقف ہیں۔ اُن کے لیے علامہ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ پہلے مفسر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ اے اللہ ابنِ عباس کو قرآن کی سمجھ عطا فرما۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ اپنی تفسیر، تفسیر ابنِ عباس میں اس آیت مبارکہ کے بارے میں فرماتے ہیں

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ الآیۃ روی البخاری وغیرہ عن ابن عباس قال نزلت ھذہ الآیۃ فی عبد اللہ بن حذافۃ بن قیس إذ بعثہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ کذا اخرجہ مختصرا وقال الداودی ھذا وھم یعنی الافتراء علی ابن عباس فان عبد اللہ بن حذافۃ خرج علی جیش تغضب فاوقد نارا وقال اقتحموا فامتنع بعض وھم بعض ان یفعل قال فان کانت الآیۃ نزلت قبل فکیف یخص عبد اللہ بن حذافۃ بالطاعۃ دون غیرہ وان کانت نزلت بعد فانما قیل لھم انما الطاعۃ فی المعروف وما قیل لھم لم لم تطیعوا واجاب الحافظ ابن حجر بان المقصود فی قصتہ فان تنازعتم فی شیء فانھم

تنازعوا في امتثال الامر بالطاعة و التوقف فرارا من النار فناسب ان ينزل في ذلك ما يرشدهم إلى ما يفعلونه عند التنازع وهو الرد إلى الله والرسول وقد اخرج ابن جرير انها نزلت في قصة جرت لعمار ابن ياسر مع خالد بن الوليد وكان خالد اميرا فاجار عمار رجلا بغير امره فتخاصما فنزلت۔

عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابنِ حذیفہ کے باب میں نازل ہوئی۔

پیغمبر صلعم نے اُن کو ایک مہم پر بھیجا تھا۔ ابنِ عباسؓ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے خالد بن ولید کو ایک عرب قبیلہ سے لڑنے بھیجا۔ عمارؔ بن یاسر اُن کے ہمراہ تھے۔ عمار نے ایک عربؔ کو پناہ دی جو اُسی وقت مسلمان ہوا تھا۔ خالد نے اُس کو گرفتار کر لیا اور اُس کی جائیداد ضبط کر لی۔ عمارؔ کو معلوم ہوا تو انھوں نے خالد سے کہا یہ شخص مسلمان ہو گیا ہے اور مَیں نے اس کو پناہ دی ہے لہذا اس کو رہا کر دو۔ خالد نے عمارؔ کو ڈانٹا اور کہا کہ تم لشکر کے سالار نہیں لہذا تم کو پناہ دینے کا حق نہیں۔ مہم سے واپس آ کر دونوں نے یہ رُوداد آنحضرت صلعم کو سُنائی۔ تو آنحضرتؐ نے عمارؔ بن یاسر کے حق میں فیصلہ دیا اور نومسلم کو پناہ دینے کو درست قرار دیا لیکن یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ سالارِ لشکر کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہ دی جائے"۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی۔

سبطِ حسن صاحب اپنی مشہور کتاب نویدِ فکر میں فرماتے ہیں "اس آیت کو تاریخی پس منظر سے مبّرا کر کے کسی سیاسی کلیے کی

بنیاد بنانا بڑی اخلاقی بددیانتی ہے۔

یہاں ہم کو جنرل ایوب خان کے زمانے کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ۱۹۶۹ء میں جن دنوں اُن کے خلاف عوامی تحریک (۹) عروج پر تھی۔ ایک روز مَیں ڈرگ روڈ سے گزرا تو دیکھتا ہوں۔کہ گورا قبرستان کے چوراہے کے ایک کونے پر ساٹھ ستّر فٹ کا سبز رنگ کا ایک لمبا چوڑا سائن بورڈ لگا ہے اور اس پر اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولُوا الاَمْرِ مِنْکُمْ کی آیت مع اُردو ترجمہ نہایت جلی حروف میں لکھی ہوئی ہے۔ آگے بڑھا تو ایسے ہی بورڈ ہر چوراہے پر نظر آئے۔ جو راتوں رات نصب کیے گئے تھے۔ البتّہ چند روز بعد جب ایوب خان نے استعفیٰ دے دیا تو یہ بورڈ چپکے سے اُتار لیے گئے۔"

دراصل اسلامی ریاستی تصوّر اور اشتراکی تصوّر بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔ جس طرح سے معاشی تصوّر جس کی ہم وضاحت کر چکے ہیں۔ اسی لیے علامہ نے جا بجا اشتراکی انقلاب کے ایجابی پہلوؤں کی داد دی ہے اور اسے ارتقائے انسانی کا ایک اقدام قرار دیا ہے۔ جمہوریت کا اندھا نظام فرنگی حکمران مصلحتاً رائج کر گئے اس میں عجیب و غریب نتیجہ نکلتا ہے۔ علم وفضل والے اہلِ الرائے لوگ منتخب نہیں ہو سکتے۔ ووٹ ایسے جاہل زمین داروں کو ملتے ہیں جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے۔ کسی شخص کو نہ تو اس کے علم کی بنا پر اور نہ موجودہ سیاست و معشیت کے فہم کی بنا پر اور

---

(۹) نوید فکر سیطہ حسن

نہ اُس کے اخلاق حسنہ کی بنا پر منتخب کر کے واضع قوانین بنایا جاتا ہے بلکہ کہیں ووٹ برادری کی بدولت ملتے ہیں۔ کہیں زمین داری اور سرمایہ داری کی بدولت اور کہیں عوام کی ابلہ فریبی اور بے خلوص خطابت سے بھی مطلب حل ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ نہ علم۔ نہ سیرت نہ معاملہ فہمی یا زر و زمین سے حکمرانی میں حصہ ملتا ہے یا نہایت ذلیل دروغ بانی اور جذبات انگیز گفتگو سے۔ اس جمہوریت کے متعلق علامہ فرماتے ہیں کہ اس میں انسانوں کو گِنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔

علامہ اسی لیے جمہوری نظام کے متعلق بہت زیادہ حسن ظن نہیں رکھتے تھے ان کا خیال صحیح تھا کہ یہ جمہوریت بھی استبداد تسلط اور غلبہ عام کی ایک نئی شکل ہے۔ علامہ نظام سیاست میں ایک کامل طور پر حساس فرد (Personality) کے قائل ہیں اور نیٹشے کی طرح زندہ اور طاقتور کی حکومت کو زیادہ کامیاب اور مناسب خیال کرتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

متاع معنی بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی
ز موراں شوخی طبع سلیمانے نمی آید

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارشو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

خضر راہ میں علامہ کا نظریہ تکمل طور پر واضح ہوجاتا ہے ۔

یہ وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

اس سرابِ رنگ و بُو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ نادان قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

تھیوکریسی و جمہوری نظام کو اگر ہم ابلیسی نظام کہیں تو بے جانہ ہو گا۔ اس نے ملتِ اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور فلسفہ ریاست اسلامیہ کا نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ علامہ ان تمام شعبوں میں ایک انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ جس میں صحیح ریاستی تصوّر اُبھر کر سامنے آئے اور باصلاحیت افراد ملک و قوم کی بھاگ دوڑ سنبھالیں۔ دراصل اگر ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس تاریخ میں ملوکیت کے بڑے بڑے پہاڑ ہم کو نظر آئیں گے۔ جو ہمیشہ باشعور افراد کا استحصال بالجبر کرتے رہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اپنی کتاب فکر اقبال میں فرماتے ہیں

"امیر معاویہ نے اس صورتِ حال کو دیکھ کر خلافت کو سلطنت میں بدل دیا اور اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا کر عام و خاص سب کو بالجبر اس پر راضی کر لیا۔ سوائے اُن چند نفوس قدسیہ کے جو اسلامی حرّیت کے جوھر کو کسی قیمت پر بیچنے کے لیے تیار نہ تھے اور جنہوں نے اسلامی اصولوں کی مخالفت میں جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ خلافت کے سلطنت میں تبدیل ہونے کے ساتھ ہی ملوکیّت کے انداز شروع ہو گئے اور سیاسی اجتماعی زندگی میں اسلام کا لائحہ عمل رفتہ رفتہ گلدستہ طاق نسیاں بن گیا۔ اس وقت سے زمانہ حال تک اچھے یا برُے مطلق العنان سلاطین بھی نظر آتے ہیں۔ ملوکیت کے دباؤ

نے علماء کی زبانیں بھی بند کر دیں۔ سلطان فاسق و فاجر کے سامنے کلمۂ حق کہنے والا کوئی نہ رہا۔"

علامہ اقبالؒ اپنے خطبہ میں پر زور طریقہ سے معاویہ کے مخالفت میں فرماتے ہیں۔

لہ "لہذا کہا گیا کہ علت و معلول کا سلسلہ چونکہ بالآخر ذات خداوندی پر ختم ہو جاتا ہے۔ آخر اس صورت جو کچھ بھی ہو رہا ہے خدا ہی کے حکم سے ہو رہا ہے۔ دوسری جانب دمشق کے موقع شناس اموی فرمانرواؤں کو بھی جو عملاً مادہ پرستی اختیار کر چکے تھے۔ کسی ایسے عذر کی ضرورت تھی جس سے وہ کربلا کے مظالم پر پردہ ڈال دیں تاکہ اس طرح عوام کو موقع نہ ملے کہ اُن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور انھیں معاویہ کی بغاوت کے ثمرات سے محروم کر دیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ جب معبد نے حسن بصریؒ سے کہا۔ اموی مسلمانوں کو قتل کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کی مرضی یونہی تھی تو حسن بصریؒ نے کہا۔ یہ اللہ کے دشمن جھوٹ کہتے ہیں۔

یہ وجوہ تھیں جن کی بنا پر علمائے اسلام کے کھلم کھلا احتجاج کے باوجود عالم اسلام نے ایک بڑی ذلّت خیز تقدیر پرستی اختیار کر لی۔"

لہ The Reconstruction of Religious Thought in Islam

اس لیے علامہ فرماتے ہیں ۔

چوں خلافت رشتہ قرآں گسیخت

حریت را زہر اندر کام ریخت

علامہ نے ابلیس کی زبانی ملّت کی تباہی کا مکمل نقشہ کھینچا ہے ۔

ابلیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بُو

کیا زمیں کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو بتو

دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق

میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو (۱)

کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ

سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو!

---

(۱) ارمغان حجاز (اردو) علامہ محمد اقبال صفحہ (۱۲)

کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز آشفتہ ہو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمّت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

جانتا ہے، جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے۔

مولانا رومؒ اس عقیدے میں بہت انتہا پسند واقع ہوئے ہیں اور معاویہ و ابلیس کی گفتگو کو بڑے عالمانہ انداز سے اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں

ؔ ارمغانِ حجاز (اردو) علامہ محمد اقبال صفحہ (۱۲)

مثنوی کے ان اشعار سے مولانا کی حق گوئی اور اہلِ طریقت کے صحیح عقیدے کا علم ہوتا ہے۔ یہی اہلِ طریقت تھے جو ملوکیت اور بربریت کے خلاف ہمیشہ کمر بستہ رہے اور یہ سلسلہ تو حضرت ابو ذر غفاریؓ سے شروع ہو رہا ہے۔ جن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ زمین ایسے شخص کو اپنے اُوپر لیے ہوتے اور آسمان ایسے شخص میں سایہ کیے ہوتے ہے وہ اس کائنات کا سب سے سچا و صادق انسان ابو ذر غفاریؓ ہے کیونکہ ابو ذر کی طرح صاف گو یائی رکھنے والا شخص کوئی نہیں ہے۔ لیکن جب حضرت ابو ذر غفاریؓ نے سرمایہ دارانہ نظام اور ملوکیت کے خلاف آواز اُٹھائی اور اُسے غیر اسلامی قرار دیا۔ تو ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ یہ تاریخ کے طالب علم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی لیے علامہ فرماتے ہیں۔ ؎

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

مولانا معنوی اپنی مثنوی میں اسلام میں ملوکیت کی ابتدا کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

بیدار کردنِ ابلیس معاویہ را کہ
وقت نماز بیگانہ شد[۱]

۱۔ دفتر دوم حصہ سوئم
صفحہ ۲۶۶ = مثنوی مولانا رومؒ

(معاویہ) گفت ہی توکیتی؟ نام تو چیست

(ابلیس) گفت نامم فاش ابلیس شقی ست

(ابلیس) گفت بیدارم چرا کردی بجد

راست گو با حق مگو برعکس وضد

(ابلیس) گفت ہنگامہ نماز آخر رسید

سوئے مسجد زود می باید دوید

(معاویہ) گفت نے ایں غرض نبود ترا

کہ بخیرے رہنما باشے مرا

صد ہزاراں چوں مرا تو رہ زدی
حفر کردی در خزانہ آمدی

کہ دید از مکر تو؟ اے مختصم
غرق طوفانیم، الاّمن عَصِم

ابلیس گفت ابلیس کشا ایں عقدہ را
من بحکم قلب راو نقد را

دفتر دوم حصہ سوئم۔ بحوالہ مثنوی مولانا روم صفحہ ۲۶۶

(ابلیس) امتحان شیر و کلبم کرد حق
امتحان نقد و قلبم کرد حق

تخم تو بد بودہ است واصل تو
یا درخت خوش نشاید وصل تو

(معاویہ) نوحہ انا ظلمنا می زدے
نیست داستان وفسونش رہ زدے

بے گنہ لعنت کنی ابلیس را
(مولانا روم) چون نہ بینی از خود این تلبیس را

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے عالمانہ اور منصفانہ انداز سے مثنوی میں معاویہ و ابلیس کی طویل بحث لکھی ہے۔ ہو سکتا ہے ارمغانِ حجاز میں علامہ کی ابلیس کی مجلس شوریٰ اس سے آخذ ہو۔ بحر حال مندرجہ بالا ہم نے اس واقعہ کے چند اشعار یہاں نقل کیے ہیں۔ اُس کی تشریح یہ ہے کہ ابلیس معاویہ کو فجر کے وقت بیدار کرتا ہے اور کہتا ہے۔ چلو فجر کی نماز پڑھو۔ وقت نماز کا ہے۔ معاویہ پوچھتے ہیں ارے تو کون ہے۔ تیرا نام کیا ہے۔ وہ بولا میرا نام ابلیس بدبخت مشہور ہے۔

دفتر دوم۔ حصہ سوئم۔ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۶۶۔

معاویہ کہتے ہیں تیرا مدعا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تو مجھے کسی نیک کام کی طرف رہنمائی کر سکے تو مجھ جیسے سینکڑوں راہروں کو راستے میں غارت کر چکا ہے اور سرنگ لگا کر خزانہ میں گھس گیا ہے۔

اے جھگڑالو تیرے مکروفریب سے کون بچ سکتا ہے۔ ہم تو تیرے مکروفریب کے طوفان میں غرق ہو چکے ہیں۔ ابلیس معاویہ کو جواب میں کہتا ہے۔ اے معاویہ، یہ شک کی گرہ جو تمہارے دل میں میری طرف سے پڑ گئی ہے۔ کھول ڈالو کیونکہ میں گمراہ کرنے والا نہیں بلکہ کھوٹے کھرے کی کسوٹی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین کے شیر اور دنیا کے کُتے کی پرکھ کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہاں حق تعالیٰ نے مجھے کھرے اور کھوٹے کی آزمائش کا آلہ بنایا ہے اور پھر تیرا بیج اور جڑ بُری تھی اسی لیے تجھے کسی اچھے درخت کے ساتھ ملانا مناسب نہیں۔

معاویہ کہتے ہیں الٰہی ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور یہ کہہ کر گریہ وزاری کرتے ہیں۔ الٰہی ابلیس کے مکروفریب کی کوئی حد نہیں۔

مولانا آخر میں فرماتے ہیں۔ معاویہ تم ابلیس پر لعنت کرتے ہو اس فریب کو اپنے نفس کی طرف سے کیوں نہیں دیکھتے کیوں کہ تم خود تلبیس ہو۔

بہر صورت اسی طرح کے اشعار جن میں اسلام کی فرسودہ روایات اور عقائد کی نفی کی گئی ہے اور ایسے صحیح اور اعلیٰ خیالات صرف مولوی معنوی ؒ کی شخصیت کو ہی زیب دیتے ہیں۔

اس صدی کے محقق اعظم سید مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت ملوکیت میں اپنے عقائد سے بالاتر ہو کر ملت اسلامیہ میں ملوکیت کی ابتدا کے لوازم پر بڑی عالمانہ بحث کرتے ہیں اس کے کچھ اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں جو مولانا روم اور علامہ اقبال کے طالب علموں کے لیے بہت ضروری ہیں۔ جس سے اسلامی تصور ملت و حکومت کی مکمل وضاحت ہو سکتی ہے۔

خلافت اور ملوکیت کا فرق

خلافت کس طرح کن مراحل سے گزرتی ہوئی آخر کار ملوکیت میں تبدیل ہوئی۔ اس روداد کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا خلافتِ راشدہ جیسے بے نظیر مثالی نظام کی نعمت سے محروم ہو جانا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا جو اچانک بلا سبب رونما ہو گیا ہو، بلکہ اس کے کچھ اسباب تھے اور وہ بتدریج امت کو دھکیلتے ہوتے خلافت سے ملوکیت کی طرف لے گئے۔ اس المناک تغیّر کے دوران میں جتنے مراحل پیش آئے، ان میں سے ہر مرحلے پر اس کو روکنے کے امکانات موجود تھے، مگر امّت کی اور درحقیقت پُوری نوعِ انسانی کی یہ بدقسمتی تھی کہ تغیّر کے اسباب بہت زیادہ طاقت ور ثابت ہوتے، حتیٰ کہ اُن امکانات میں سے کسی ایک کا فائدہ بھی نہ اٹھایا جا سکا۔

اب ہمیں اس سوال پر بحث کرنی ہے کہ خلافت اور ملوکیت کے درمیان اصل فرق کیا ہے، ایک چیز کی جگہ دوسری چیز کے آ جانے سے حقیقت میں کیا تغیرّ واقع ہوا، اور اس کے کیا اثرات مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر مرتب ہوئے۔

ملوکیت کا آغاز اسی قاعدے کی تبدیلی سے ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے۔ وہ بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر اُن کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ لوگوں نے اُن کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے، اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لیے بیعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اُس وقت اگر اُن سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے، بلکہ اس کے معنی خونریزی و بدنظمی کے تھے جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جا سکتی تھی۔ اسی لیے امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری (ربیع الاوّل ۴۱ھ) کے بعد تمام صحابہؓ و تابعین اور صلحائے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا اور اس کو "عام الجماعت" اس بنا پر قرار دیا کہ کم از کم باہمی خانہ جنگی تو ختم ہوئی۔

(۱) حضرت معاویہؓ خود بھی اس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اپنے زمانۂ خلافت کے آغاز میں انہوں نے مدینۂ طیبہ میں تقریر کرتے ہوئے خود فرمایا:

اما بعد، فانی واللہ ما ولیت امرکم حین ولیتہ وانا اعلم انکم لا تسرّون بولایتی ولا تحبونہا وانی لعالم بما فی نفوسکم من ذالک ولکنی خالستکم بسیفی ہٰذا مخالسۃ ...... وان لم تجدونی اقوم بحقکم کلہ فارضوا منی ببعضہ[۱]۔

۱: سید ابوالاعلیٰ مولانا مودودی بحوالہ خلافت و ملوکیت

"بخدا میں تمہاری حکومت کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ تم میرے برسرِاقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور اسے پسند نہیں کرتے۔"
اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں، مگر میں نے اپنی اِس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کر کے اسے لیا ہے .... اب اگر تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔"

اِس طرح جس تغیّر کی ابتدا ہوئی تھی، یزید کی ولی عہدی کے بعد سے وہ ایسا مستحکم ہُوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ کمال کے اِلغائے خلافت تک ایک دن کے لیے بھی اس میں تزلزل واقع نہ ہُوا۔ اِس سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا ایک مستقل طریقہ چل پڑا۔ اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف پلٹنے کا کوئی موقع نصیب نہ ہو سکا۔ لوگ مسلمانوں کے آزادانہ اور کھلے مشورے سے نہیں بلکہ طاقت سے برسرِاقتدار آتے رہے۔ بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی۔ بیعت کرنے یا نہ کرنے میں مسلمان آزاد نہ رہے۔ بیعت کا حاصل ہونا اقتدار پر قابض ہونے اور قابض رہنے کے لیے شرط نہ رہا۔ لوگوں کی اوّل تو یہ مجال نہ تھی کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آیا ہُوا تھا اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔ لیکن اگر وہ بیعت نہ بھی کرتے تو اس کا نتیجہ ہرگز یہ نہ ہوتا تھا کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آگیا ہو وہ ان کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے ہٹ جائے۔

یہاں یہ بحث بالکل غیر متعلق ہے کہ مسلمانوں کی آزادانہ مشاورت کے بغیر جو خلافت یا امارت بزور قائم ہوگئی ہو وہ آئینی طور پر منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اصل سوال منعقد ہونے یا نہ ہونے کا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اسلام میں نصبِ خلافت کا صحیح طریقہ آیا وہ ہے جس سے خلفائے راشدین خلیفہ ہوئے، یا وہ جس سے حضرت معاویہ اور ان کے بعد کے لوگ خلیفہ بنے؟ ایک طریقہ کسی کام کے کرنے کا وہ ہے جس کی اسلام نے ہم کو ہدایت دی ہے۔ دوسرا طریقہ اُسی کام کے کرنے کا وہ ہے جس کے مطابق اگر وہ کام کر ڈالا جائے تو

اسلام اسے برداشت کر لینے کی حد تک صرف اس لیے ملغبن کرتا ہے کہ اسے مٹانے اور بدلنے کی کوشش کہیں اس سے بھی زیادہ بدتر حالات پیدا نہ کر دے۔ بڑا ظلم کرے گا وہ شخص جو ان دونوں کو ایک درجے میں رکھ دے اور دعویٰ کرے کہ اسلام میں یہ دونوں طریقے یکساں جائز ہیں۔ ایک محض جائز نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ دوسرا اگر جائز ہے تو قابل برداشت ہونے کی حیثیت سے ہے نہ کہ پسندیدہ اور مطلوب ہونے کی حیثیت سے۔ (ا)

بیتُ المال کی حیثیت میں تبدیلی

تیسری اہم تبدیلی بیت المال کے متعلق خلفاء کے طرزِ عمل میں رونما ہوئی۔

(ب) بیت المال کا اسلامی تصور یہ تھا کہ وہ خلیفہ اور اس کی حکومت کے پاس خدا اور خلق کی امانت ہے جس میں کسی کو من مانے طریقے پر تصرف کرنے کا حق نہیں ہے خلیفہ نہ اس کے اندر قانون کے خلاف کوئی چیز داخل کر سکتا ہے، نہ قانون کے خلاف اس میں سے کچھ خرچ کر سکتا ہے۔ وہ ایک ایک پائی کی آمد اور خرچ کے لیے جوابدہ ہے۔ اور اپنی ذات کے لیے وہ صرف اتنی تنخواہ لینے کا حق دار ہے جتنی ایک اوسط درجے کی زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہو۔

دورِ ملوکیت میں بیت المال کا یہ تصور اس تصور سے بدل گیا کہ خزانہ بادشاہ اور شاہی خاندان کی ملک ہے، رعیت بادشاہ کی محض باجگزار ہے، اور کسی کو حکومت سے حساب پوچھنے کا حق نہیں ہے۔ اس دور میں بادشاہوں اور شاہزادوں کی، بلکہ ان کے گورنروں اور سپہ سالاروں تک کی زندگی جس شان سے بسر ہوتی تھی وہ بیت المال میں بے جا تصرف کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں جب شاہزادوں اور امراء کی ناجائز املاک کا محاسبہ کیا، اُس وقت انہوں نے

ا سید ابو اعلی مولانا مودودی۔
ب بحوالہ خلافت و ملوکیت۔

خود اپنی ۴۰ ہزار دینار سالانہ کی جائداد، جو انہیں اپنے والد عبدالعزیز بن مروان سے میراث میں ملی تھی، بیت المال کو واپس کی۔ اس جائداد میں فدک بھی شامل تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام خلفاء کے زمانہ میں بیت المال کی ملک رہا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے اسے حضورؐ کی میراث میں آپ کی صاحبزادی تک کو دینے سے انکار کر دیا تھا، مگر مروان بن الحکم نے اپنے زمانۂ خلافت میں اسے اپنی ملک اور اپنی اولاد کی میراث بنا لیا۔[۲]

یہ تو تھا بیت المال سے خرچ کے معاملہ میں ان حکمرانوں کا طرزِ عمل۔ اب بیت المال کی آمدنی کو دیکھیے تو نظر آتا ہے کہ اس کے بارے میں بھی حلال و حرام کی تمیز ان کے ہاں اٹھتی چلی گئی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اپنے ایک فرمان میں ان ناجائز ٹیکسوں کی ایک فہرست دی ہے جو ان کے پیش رو شاہانِ بنی امیہ کے زمانے میں رعایا سے وصول کیے جاتے تھے۔[۳] اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بیت المال کی آمدنی کے بارے میں شریعت کے قواعد کو کس بری طرح توڑنا شروع کر دیا تھا۔ (ب)

اس سلسلے میں سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ جو غیر مسلم اسلام قبول کر لیتے تھے ان پر بھی اس بہانے جزیہ لگا دیا جاتا تھا کہ یہ محض جزیے سے بچنے کے لیے ایمان لا رہے ہیں، حالانکہ اصل وجہ اس فعل کی یہ تھی کہ اشاعتِ اسلام سے ان کو بیت المال کی آمدنی کم ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ابنِ اثیر کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف (عراق کے وائسرائے) کو اس کے عاملوں نے لکھا کہ ذمی کثرت سے مسلمان ہو ہو کر بصرہ و کوفہ میں آباد ہو رہے ہیں اور اس سے جزیہ و خراج کی آمدنی گھٹ رہی ہے۔ اس پر حجاج نے فرمان جاری کیا کہ ان لوگوں کو شہروں سے نکالا جائے اور ان پر حسبِ سابق جزیہ لگایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ نو مسلم بصرہ و کوفہ سے نکالے جا رہے تھے تو وہ یا محمداہ، یا محمداہ پکار پکار کر روتے جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جا کر اس ظلم پر فریاد کریں۔ اس صورتِ حال پر بصرہ و کوفہ کے علماء و فقہاء چیخ اٹھے اور جب یہ نو مسلم روتے پیٹتے شہروں سے نکلے تو علماء و فقہاء بھی ان کے ساتھ روتے جاتے تھے۔[۴] حضرت عمر ابن عبدالعزیز جب خلیفہ ہوئے تو خراسان

(ب) سید ابو اعلیٰ مولانا مودودی رح
د بحوالہ خلافت و ملوکیت

سے ایک وفد نے آکر اُن سے شکایت کی کہ ہزارہا آدمی جو مسلمان ہوئے تھے، سب پر جزیہ لگا دیا گیا ہے، اور گورنر کے تعصب کا یہ حال ہے کہ وہ علانیہ کہتا ہے "اپنی قوم کا ایک آدمی مجھے دوسرے سو آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے"۔ اسی بنیاد پر حضرتِ موصوف نے الجراح بن عبداللہ الحکمی کو خراسان کی گورنری سے معزول کیا اور اپنے فرمان میں لکھا کہ "اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ تحصیلدار"۔ [۵۵]

۱۱- آزادی اظہار رائے کا خاتمہ

اِس دَور کے تغیرات میں سے ایک اور اہم تغیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی۔ حالانکہ اسلام نے اسے مسلمانوں کا صرف حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا، اور اسلامی معاشرہ و ریاست کا صحیح راستے پر چلنا اس پر منحصر تھا کہ قوم کا ضمیر زندہ اور اس کے افراد کی زبانیں آزاد ہوں، ہر غلط کام پر وہ بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق بات برملا کہہ سکیں۔ خلافتِ راشدہ میں لوگوں کی یہ آزادی پوری طرح محفوظ تھی۔ خلفائے راشدین اس کی نہ صرف اجازت دیتے تھے بلکہ اس پر لوگوں کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ اُن کے زمانہ میں حق بات کہنے والے ڈانٹ اور دھمکی سے نہیں، تعریف و تحسین سے نوازے جاتے تھے، اور تنقید کرنے والوں کو دبایا نہیں جاتا تھا بلکہ ان کو معقول جواب دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ لیکن دَورِ ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں۔ اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے کھولو، ورنہ چُپ رہو، اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جو لوگ بھی

(ح) سید ابو اعلیٰ مولانا مودودی
بحوالہ خلافت و ملوکیت

اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔

اس نئی پالیسی کی ابتدا حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں حضرت حُجر بن عدی کے قتل ۵۱ھ سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علیؓ پر لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حُجر بن عدی سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علیؓ کی تعریف اور حضرت معاویہؓ کی مذمت شروع کر دی۔ حضرت مُغیرہؓ جب تک کوفہ کے گورنر رہے، وہ ان کے ساتھ رعایت برتتے رہے۔ ان کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہو گیا تو اُس کے اور ان کے درمیان کشمکش برپا ہو گئی۔ وہ خطبے میں حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا تھا اور یہ اُٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ انہوں نے نماز جمعہ میں تاخیر پر بھی اُس کو ٹوکا۔ آخر کار اس نے انہیں اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اس فردِ جرم پر لیں کہ "انھوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے، خلیفہ کو علانیہ گالیاں دیتے ہیں، امیرالمومنین کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت آلِ ابی طالب کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے، انھوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیرالمومنین کے عامل کو نکال باہر کیا، یہ ابوتراب (حضرت علیؓ) کی حمایت کرتے ہیں، اُن پر رحمت بھیجتے ہیں اور اُن کے مخالفین سے اظہارِ براءت کرتے ہیں۔" ان گواہیوں میں سے ایک گواہی قاضی شُریح کی بھی ثبت کی گئی، مگر انہوں نے ایک الگ خط میں حضرت معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ "میں نے سنا ہے آپ کے پاس حُجر بن عدی کے خلاف جو شہادتیں بھیجی گئی ہیں ان میں ایک میری شہادت بھی ہے۔ میری اصل شہادت حُجر کے متعلق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، دائماً حج و عمرہ کرتے رہتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے

روک سکتے ہیں - ان کا خون اور مال حرام ہے - آپ چاہیں تو انہیں قتل کریں ورنہ معاف کر دیں۔"

اِس طرح یہ ملزم حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ "ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؓ سے برائت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔" ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجرؓ نے کہا "میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔" آخر کار وہ اور ان کے سات ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمٰن بن حسّان کو حضرت معاویہؓ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقہ سے قتل کرو چنانچہ اس نے انہیں زندہ دفن کرا دیا۔[٦]

اس واقعہ نے امت کے تمام صلحاء کا دل دہلا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو یہ خبر سن کر سخت رنج ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ کو اس فعل سے باز رکھنے کے لیے پہلے ہی خط لکھا تھا۔ بعد میں جب ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ ان سے ملنے آئے تو انھوں نے فرمایا "اے معاویہ، تمہیں حجرؓ کو قتل کرتے ہوئے خدا کا ذرا خوف نہ ہوا؟" حضرت معاویہؓ کے گورنر خراسان ربیع بن زیاد الحارثی نے جب یہ خبر سنی تو پکار اٹھے کہ "خدایا اگر تیرے علم میں میرے اندر کچھ خیر باقی ہے تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔" حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "حضرت معاویہؓ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔ ایک، ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا، درانحالیکہ امت میں بقایائے صحابہ موجود تھے۔

٦: سید ابوالاعلیٰ مولانا مودودی

بحوالہ خلافت و ملوکیت

دوسرے، ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا، ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا۔ تیسرے ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اُس کی ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو، اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں[8]۔ چوتھے ان کا حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔[9]

اس کے بعد لوگوں کی آواز کو جبر و ظلم سے دبانے کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ مروان بن الحکم نے اپنی گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت مِسْوَر بن مَخْرَمَہ کو اس قصور میں لات مار دی کہ انہوں نے اس کی ایک بات پر یہ کہہ دیا تھا کہ "آپ نے یہ بُری بات کہی ہے"[10]۔ حَجّاج بن یوسف کو ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خطبہ لمبا کرنے اور نمازِ جمعہ میں حد سے زیادہ تاخیر کرنے پر ٹوکا تو اس نے کہا "میرا ارادہ ہے کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں جس سر میں ہیں اس پر ضرب لگاؤں[11]"۔ عبدالملک بن مروان ۷۵ھ میں جب مدینہ گیا تو منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا کہ:

> "مَیں اس اُمّت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا۔ ...... اب اگر کسی نے مجھے اِتَّقِ اللہ کہا تو مَیں اس کی گردن مار دوں گا[12]۔"

ولید بن عبدالملک نے ایک دفعہ خطبۂ جمعہ کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت بھی گزر نے لگا۔ ایک شخص نے اُٹھ کر کہا "امیر المومنین، وقت آپ کا انتظار نہ کرے گا، اور نماز میں اتنی تاخیر کر دینے پر آپ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے۔" ولید نے جواب دیا "اے شخص تو نے سچ کہا، مگر ایسے راست گفتار آدمی کی جگہ وہ نہیں ہے جہاں تو کھڑا ہے۔" چنانچہ اسی وقت شاہی باڈی گارڈ نے اسے قتل کر کے جنت پہنچانے کا انتظام کر دیا[13]۔

یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمّت اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔ خطرہ مول لے کر سچّی بات کہنے والے ان کے اندر کم ہوتے چلے گئے۔ خوشامد اور ضمیر فروشی کی قیمت بازار میں چڑھتی اور حق پرستی و راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے ایماندار

اور باضمیر لوگ حکومت سے بے تعلق ہو گئے، اور عوام کا حال یہ ہو گیا کہ انہیں ملک اور اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی۔ حکومتیں آتی اور جاتی رہیں، مگر لوگ بس ان کی آمد و رفت کے تماشائی بن کر رہ گئے۔ عام لوگوں میں اس پالیسی نے جس سیرت و کردار کو نشوونما دینا شروع کیا اس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جو حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ سانحۂ کربلا کے بعد ایک شخص چھپا کر مجھے اپنے گھر لے گیا اور میری خوب خاطر مدارات کی۔ اُس کا حال یہ تھا کہ ہر وقت مجھے دیکھ کر روتا تھا اور میں اپنی جگہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے لیے اگر کسی شخص کے اندر وفا ہے تو وہ یہ شخص ہے۔ اتنے میں عبیداللہ بن زیاد کی یہ منادی سنی گئی کہ جو کوئی علی بن حسین کو ہمارے پاس پکڑ کر لائے گا اسے تین سو درہم انعام دیا جائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی وہ شخص میرے پاس آیا۔ میرے ہاتھ میری گردن سے باندھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں وہ مجھے ابنِ زیاد کے پاس لے گیا اور اس سے انعام حاصل کر لیا۔[ب]

(د) عدلیہ کی آزادی کا خاتمہ

قضا (Judiciary) کی انتظامیہ سے آزادی کا اصول بھی اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے تھا۔ خلافتِ راشدہ میں قاضیوں کا تقرر اگرچہ خلفاء ہی کرتے تھے، مگر جب کوئی شخص قاضی مقرر ہو جاتا تھا تو اس پر خدا کے خوف اور اس کے اپنے علم و ضمیر کے سوا کسی کا دباؤ نہ رہتا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی عدالت کے کام میں دخل دینے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ قاضی خود خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتے تھے اور دیتے تھے۔ مگر جب ملوکیت آئی تو بالآخر یہ اصول بھی ٹوٹنا شروع ہو گیا۔ جن معاملات سے اِن بادشاہ قسم کے خلفاء کو سیاسی اسباب، یا ذاتی مفاد کی بنا پر دلچسپی ہوتی تھی اُن میں انصاف کرنے کے لیے عدالتیں آزاد نہ رہیں۔ حتیٰ کہ شاہزادوں، گورنروں، فائزین

(د) بحوالہ خلافت ملوکیت

مولانا مودودی رح

اور شاہی محلات کے متوسلین تک کے خلاف مقدمات میں عدل کرنا مشکل ہو گیا۔ یہ ایک بڑا سبب تھا اس بات کا کہ اُس زمانہ میں صالح علماء بالعموم قضاء کا منصب قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے، اور جو عالم اِن حکمرانوں کی طرف سے عدالت کی کرسی پر بیٹھنے پر راضی ہو جاتا تھا، اسے لوگ شک کی نگاہ سے دیکھنے لگتے تھے۔ عدلیہ پر انتظامیہ کی دست درازی یہاں تک بڑھی کہ گورنروں کو قاضیوں کے عزل و نصب کا اختیار دے دیا گیا[15]۔ حالانکہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ اختیارات خلیفہ کے سوا کسی کو حاصل نہ تھے۔

قانون کی بالاتری کا خاتمہ

سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دَور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دَور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا، حالانکہ وہ اسلامی ریاست کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے تھا۔

اسلام جس بنیاد پر دنیا میں اپنی ریاست قائم کرتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت سب پر بالا ہے۔ حکومت اور حکمراں، راعی اور رعیّت، بڑے اور چھوٹے، عوام اور خواص، سب اُس کے تابع ہیں۔ کوئی اُس سے آزاد یا مستثنیٰ نہیں اور کسی کو اس سے ہٹ کر کام کرنے کا حق نہیں۔ دوست ہو یا دشمن، حربی کافر ہو یا مُعاہد، مسلم رعیّت ہو یا ذِمّی، مسلمان وفادار ہو یا باغی یا برسرِ جنگ، غرض جو بھی ہو شریعت میں اُس سے برتاؤ کرنے کا ایک طریقہ مقرر ہے جس سے کسی حال میں تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔

(ع) خلافتِ راشدہ اپنے پُورے دَور میں اِس قاعدے کی سختی کے ساتھ پابند رہی، حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے انتہائی نازک اور سخت اشتعال انگیز حالات میں

(ع) بحوالہ خلافت و ملوکیت
سید ابو الاعلیٰ مولانا مودودی رحمہ

بھی حدودِ شرع سے قدم باہر نہ رکھا۔ ان راست رو خلفاء کی حکومت کا امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ ایک حدود آشنا حکومت تھی نہ کہ مطلق العنان حکومت۔

مگر جب ملوکیت کا دَور آیا تو بادشاہوں نے اپنے مفاد، اپنی سیاسی اغراض، اور خصوصاً اپنی حکومت کے قیام و بقاء کے معاملہ میں شریعت کی عائد کی ہوئی کسی پابندی کو توڑ ڈالنے اور اس کی باندھی ہوئی کسی حد کو پھاند جانے میں تامّل نہ کیا۔ اگرچہ ان کے عہد میں بھی مملکت کا قانون اسلامی قانون ہی رہا۔ کتاب اللہ و سنّتِ رسول اللہؐ کی آئینی حیثیت کا اُن میں سے کسی نے کبھی انکار نہیں کیا۔ عدالتیں اسی قانون پر فیصلے کرتی تھیں اور عام حالات میں سارے معاملات شرعی احکام ہی کے مطابق انجام دیئے جاتے تھے۔ لیکن ان بادشاہوں کی سیاست دین کی تابع نہ تھی۔ اُس کے تقاضے وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے، اور اس معاملہ میں حلال و حرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے۔ مختلف خلفائے بنی امیہ کے عہد میں قانون کی پابندی کا کیا حال رہا، اسے ہم آگے کی سطور میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے عہد میں

یہ پالیسی حضرت معاویہؓ کے عہد ہی سے شروع ہو گئی تھی۔

امام زُہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفائے راشدینؓ کے عہد میں سنّت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے، نہ مسلمان کافر کا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانۂ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آکر اس بدعت کو موقوف کیا۔ مگر ہشام بن عبدالملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر بحال کر دیا۔[۲۵]

حافظ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ دِیت کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے سنّت کو بدل دیا۔ سنّت یہ تھی کہ مُعاہد کی دِیت مسلمان کے برابر ہو گی، مگر حضرت معاویہؓ نے اُس کو

قبول کرنے والے تمام انسانوں کو یکساں حقوق کے ساتھ ایک اُمت بنایا تھا۔ بنی امیہ کی حکومت ابتدا ہی سے ایک عرب حکومت کا رنگ لیے ہوئے تھی جس میں عرب مسلمانوں کے ساتھ غیر عرب نومسلموں کے مساوی حقوق کا تصور قریب قریب مفقود تھا۔ اُس میں اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے نومسلموں پر جزیہ لگایا گیا، جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس سے نہ صرف اشاعتِ اسلام میں شدید رکاوٹ پیدا ہوئی، بلکہ عجمیوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اسلامی فتوحات نے دراصل اُن کو عربوں کا غلام بنا دیا ہے اور اب وہ اسلام قبول کر کے بھی اُن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ خرابی اور آگے بڑھی۔ والی، قاضی، حتیٰ کہ امامِ نماز مقرر کرتے ہوئے بھی یہ دیکھا جانے لگا کہ آدمی عرب ہے یا غیر عرب۔ کوفے میں حجاج بن یوسف نے حکم دے رکھا تھا کہ عرب کے سوا کوئی شخص نماز میں امام نہ بنایا جائے[16]۔ حضرت سعید بن جُبیر جب گرفتار ہو کر آئے تو حجاج نے اُن پر احسان جتایا کہ میں نے تم کو امامِ نماز بنایا، حالانکہ یہاں عرب کے سوا کوئی امامت نہ کرا سکتا تھا[17]۔ عراق میں نبطیوں کے ہاتھوں پر مُہریں لگائی گئیں۔ بصرے سے نومسلم عجمیوں کا وسیع پیمانے پر اخراج کیا گیا[18]۔ حضرت سعید بن جُبیر جیسے بلند مرتبہ عالم کو، جن کے پائے کے آدمی اُس وقت دنیائے اسلام میں دو چار سے زیادہ نہ تھے، جب کوفے کا قاضی مقرر کیا گیا تو شہر میں شور مچ گیا کہ عرب کے سوا کوئی شخص قضا کا اہل نہیں ہو سکتا۔ آخرکار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے ابو بُردہ کو قاضی بنایا گیا اور ان کو حکم دیا گیا کہ ابنِ جُبیر سے مشورہ لیے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں[19]۔ مدیہ ہے کہ جنازوں پر بھی کسی عجمی کو نماز پڑھانے کے لیے آگے نہ کیا جاتا، اِلّا یہ کہ کوئی عرب لڑکا تک جنازہ پڑھانے کے لیے موجود نہ ہو[20]۔ کسی غیر عرب نومسلم لڑکی سے اگر کوئی شخص شادی کرنا چاہتا تو اُسے لڑکی کے باپ یا اُس کے رشتہ داروں کو پیغام دینے کے بجائے اُس عرب سے رجوع کرنا پڑتا تھا جس (ع)

(ع) بحوالہ خلافت ملوکیت

سید ابوالاعلیٰ مولانا مودودی رح

کے وِلا (Patronage) میں وہ عجمی خاندان ہو[۲۱]۔ لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہونے والے کے لیے عربوں میں ہجین (عیبی)، کی اصطلاح رائج ہوگئی تھی، اور یہ خیال عام ہونے لگا تھا کہ وراثت میں اس کا حصہ عرب بیوی کی اولاد کے برابر نہیں ہوسکتا[۲۲]، حالانکہ شریعت کی رُو سے دونوں طرح کی اولاد کے حقوق برابر ہیں۔ ابوالفرج الاصفہانی کی روایت ہے کہ بنی سُلَیم کے ایک شخص نے ایک عجمی نومسلم سے اپنی بیٹی بیاہ دی تو محمد بن بشیر الخارجی نے مدینہ جاکر گورنر سے اس کی شکایت کی، اور گورنر نے فوراً زوجین میں تفریق کرادی، اس نومسلم کو کوڑے لگوائے، اور اس کا سر، ڈاڑھی اور ابروئیں منڈوا کر اسے ذلیل کیا[۲۳]۔

یہی وہ طرزِ عمل تھا جس نے عجم میں شعوبیت (عجمی قوم پرستی) کو جنم دیا، اور اسی کی بدولت خراسان میں بنی امیہ کے خلاف عباسیوں کی دعوت کو فروغ نصیب ہوا۔ عجمیوں میں عربوں کے خلاف جو نفرت پیدا ہوچکی تھی، عباسی داعیوں نے اُسے بنی اُمیہ کے خلاف استعمال کیا، اور انہوں نے اس امید پر عباسیوں کا ساتھ دیا کہ ہمارے ذریعہ سے انقلاب ہوگا تو ہم عربوں کا زور توڑ سکیں گے۔

بنی امیہ کی یہ پالیسی صرف عرب و عجم کے معاملے ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ خود عربوں میں بھی اس نے سخت قبائلی تفریق برپا کردی۔ عدنانی اور قحطانی، یمانی اور مُضَری، اَزد اور تَمیم، کلب اور قیس کے تمام پرانے جھگڑے اس دور میں پھر سے تازہ ہوگئے۔ حکومت خود قبیلوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتی تھی اور اس کے عرب گورنر اپنی نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کردی[۲۶]۔

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود، اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجدِ نبوی میں منبرِ رسولؐ پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضورؐ

بحوالہ خلافت و ملوکیت
حضرت ابو الاعلیٰ مولانا مودودی

کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے[۲۷]۔ کسی کے مرنے کے بعد اُس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا اور خطبۂ جمعہ میں سَبِّ علی کی جگہ یہ آیت پڑھنی شروع کر دی: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَائِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل - ۹۰)۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہؐ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنّت کی رُو سے پُورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اُس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا اُن کے لیے الگ نکال لیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے[۲۸]۔

زیاد بن سُمَیّہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے اُن افعال میں سے ہے جن میں اُنہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سُمَیّہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہؓ کے والد جناب ابو سفیانؓ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابو سفیانؓ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد اُنہی کے نطفہ سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبّر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں وہ

مولانا مودودی رح بحوالہ خلافت و ملوکیت

آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ اُن کے بعد حضرت معاویہؓ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد اُنہی کا ولدالحرام ہے۔ پھر اسی بنیاد پر اُسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود ہے کہ "بچہ اُس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو، اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں"۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پردہ فرمایا۔[۲۹]

حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اُن کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دورانِ خطبہ میں اس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رُو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دِیَت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا، مگر میرے عُمّال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔[۳۰] زیاد کو جب حضرت معاویہؓ نے بصرے کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفے کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اُس پر کنکر پھینکے۔ اُس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیئے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اسی وقت اُن کے ہاتھ کٹوا دیئے۔[۳۱] کوئی مقدمہ اُن پر نہ چلایا گیا۔ کسی

مولانا مودودی بحوالہ خلافت و ملوکیت

عدالت میں وہ نہ پیش کیے گئے۔ کوئی باقاعدہ قانونی شہادت اُن کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطع ید کی سزا دے ڈالی جس کے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربارِ خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بُسر بن ابی اَرطاۃ نے کیے جسے حضرت معاویہؓ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علیؓ کے قبضے سے نکالنے کے لیے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اُس شخص نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبیداللہ بن عباسؓ کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اِن بچوں کی ماں اس صدمے سے دیوانی ہو گئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی، چیخ اٹھی کہ "مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا، اب اِن بچوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو؟ بچّے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اَے ابن اَرطاۃ، جو حکومت بچوں اور بوڑھوں کے قتل اور بے رحمی و برادر کشی کے بغیر قائم نہ ہو سکتی ہو اُس سے بُری کوئی حکومت نہیں۔"[۳۲] اِس کے بعد اِسی ظالم شخص کو حضرت معاویہؓ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جو اُس وقت حضرت علیؓ کے قبضے میں تھا۔ وہاں اُس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلمِ عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، انھیں لونڈیاں بنا لیا۔[۳۳] حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں، یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔

سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی، جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا، اِسی دَور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہوا۔

سب سے پہلا سر جو زمانۂ اسلام میں کاٹ کر لے جایا گیا وہ حضرت عمّارؓ بن یاسر کا سر

مولانا مودودی صاحب بحوالہ خلافت و ملوکیت

تھا۔ امام احمدؒ بن حنبل نے اپنی مُسند میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگِ صِفّین میں حضرت عمارؓ کا سر کاٹ کر حضرت معاویہؓ کے پاس لایا گیا اور دو آدمی اُس پر جھگڑ رہے تھے، ہر ایک کہتا تھا کہ عمار کو مَیں نے قتل کیا ہے۔[۳۴]

اس کے بعد دوسرا سر عَمرو بن الحَمِق کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انہوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایتِ عراق کے زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے۔ وہاں ایک سانپ نے ان کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے۔ تعاقب کرنے والے ان کی مُردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے۔ اُس نے حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق بھیج دیا۔ وہاں اسے بر سرِ عام گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔[۳۵]

ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں محمد بن ابی بکر کے ساتھ کیا گیا جو وہاں حضرت علیؓ کے گورنر تھے۔ حضرت معاویہؓ کا جب مصر پر قبضہ ہوا تو انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور پھر ان کی لاش ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی۔[۳۶]

اس کے بعد تو یہ ایک مستقل طریقہ ہی بن گیا کہ جن لوگوں کو سیاسی انتقام کی بنا پر قتل کیا جائے اُن کے مرنے کے بعد ان کی لاشوں کو بھی معاف نہ کیا جائے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا گیا، اور اُن کی لاش پر گھوڑے دوڑا کر اُسے روندا گیا۔[۳۷]

حضرت نعمان بن بشیر، جو یزید کے زمانے تک بنی امیہ کے حامی رہے تھے، مروان کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ دینے کی وجہ سے قتل کیے گئے اور ان کا سر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈالا گیا۔[۳۸]

مولانا مودودی صاحب بحوالہ خلافت وملوکیت

حضرت مُصعب بن زبیر کا سر کوفہ اور مصر میں پھرایا گیا، پھر دمشق لے جا کر اسے منظرِ عام پر لٹکا دیا گیا۔ اس کے بعد شام کے شہروں میں اسے پھرانے کا ارادہ تھا، مگر خود عبد الملک بن مروان کی بیوی، عاتکہ بنتِ یزید بن معاویہ نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ اس نے کہا "جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے کیا اس سے بھی تمہارا دل ٹھنڈا نہ ہوا؟ اب اس کی نمائش کیوں کرتے پھر رہے ہو؟" پھر اس سر کو اتروا کر غسل دلوایا اور دفن کرا دیا۔[۱]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے رفقاء عبداللہ بن صفوان اور عُمارہ بن حزم کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت وحشت و جاہلیت برتی گئی۔ ان کے سر کاٹ کر مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے دمشق لے جائے گئے، جگہ جگہ ان کی نمائش کی گئی، اور مکہ میں ان کی لاشیں کئی روز تک سولی پر لٹکتی رہیں یہاں تک کہ وہ سڑ گئیں۔[۱]

قطع نظر اس سے کہ جن لوگوں کے مرنے کے بعد یہ سلوک ان کی لاشوں کے ساتھ کیا گیا وہ کس پائے کے لوگ تھے، سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے کسی کافر کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کرنا جائز رکھا ہے؟

۱

مولانا مودودی صاحب بحوالہ خلافت و ملوکیت

فلسفۂ عشق

عشق علم طریقت کا سب سے اہم موضوع رہا ہے۔ مثنوی مولانا روم اور علامہ کے کلام کے زیادہ تر حصوں میں اسی موضوع پر بحث کی گئی ہے اور ہماری کتاب کا یہ سب سے اہم ترین موضوع ہے۔ ہم عشق کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مولانا روم اور علامہ اقبالؒ کے خیالات کا مکمل طور پر تقابلی جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اس کائنات میں تمام چیزیں اپنی اصل کی طرف حرکت کرتی نظر آ رہی ہیں اور تکمیل ذات چاہتی ہیں۔ اگر کائنات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس بات کی بالکل وضاحت ہو جائے گی کہ ہر وجود ادنیٰ طبقہ سے اعلیٰ طبقہ اور مرحلہ کی طرف سفر کر رہا ہے۔ اس میں ایک کشش پائی جاتی ہے۔ یہ کشش اُسے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف کھینچ رہی ہے۔ اور تمام عناصر کائنات ایک لامحدود کمال میں فنا ہو کر بقا بن جانا چاہتے ہیں۔ دراصل اسی کشش اور شدت جذبات کا نام عشق ہے۔ جس میں حرکت وارتقاء وتسلسل ہے۔ کیوں اللہ تعالیٰ انائے مطلق ہے۔ اس کی ہر چیز میں انا شامل ہے۔ اس لیے اشیاء کی حقیقت میں کثرت نہیں، بلکہ شعورِ وحدت نظر آئے گا۔ عشق کے بغیر

اس کائنات کا وجود قائم رکھنا ہی محال ہے ۔ کیونکہ کائنات اجسام واجرام میں باہمی کشش ہی سے قائم ہے اور اس نظریۂ کائنات کو نیوٹن کی ریاضیات نے ثابت کر دیا ہے۔

اسی لیئے جمادات، بتدریج نباتات، حیوانات، انسان اور کائنات کی تمام اشیاء حسنِ ازلی کی جانب حرکت کر رہی ہیں۔ اس کشش کا نام عشق ہے۔

عقیدہ اہل طریقت یہ ہے کہ کائنات کی تشکیل عشق کی بدولت ہوئی اور اس کا قیام بھی عشق کی ہی بدولت ہے۔ اور انسان کا ظہور عشق کی وجہ سے ہوا ۔ کیوں کہ یہ کائنات کوئی جامد شے نہیں نہ اس کی تکمیل ختم ہوئی کہ وہ نہ بے حرکت اور ناقابل تغیر و تبدل ہے ۔ بلکہ اس کے باطن میں ایک نئی آفرینش کا خواب پوشیدہ ہے ۔ اسی لیئے تمام ارتقاء کا دار و مدار آرزو اور جستجو پر ہے ۔ آرزو کی شدت کا نام عشق ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں جلال و جمال کا نفیس امتزاج پیدا ہوتا ہے ۔ بہر صورت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ موضوعی SUBJECTIVE نظریہ ہو یا معروضی OBJECTIVE ہو۔ ۱

بحث عشق کے حوالے سے وجود انسانی پر ہے اور انسان ہمیشہ سے بڑے حکماء کے لیئے ایک اہم، دلچسپ اور پیچیدہ موضوع رہا ہے ۔ کسی نے اس کو عقل و جسم کا نفیس امتزاج کہا ۔ کوئی اسے کثافت و لطافت کی اعلیٰ ترتیب سے تعبیر کرتا ہے ۔ اور الہیات کے حوالے سے یہ جسم و روح کا نفیس امتزاج ہے ۔ لیکن یہ روح اس میں داخل بھی ہے خارج بھی منفصل بھی ہے اور متصل بھی لیکن علامہ اسے طلسم بود و عدم

کہتے ہیں بقول ان کے ،

اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں

وجود حضرت انسان نہ روح ہے نہ بدن

لیکن نفوس عالم میں انسانی نفس درجہ ارتقاء میں سب سے افضل ہے۔ جہاں کبھی وہ آغوش فطرت ہے ۔ اور کبھی فطرت کو آشکار کرتا ہے ۔

انسانی روح اپنے اصل کی جانب کشش محسوس کرتی ہے ۔ اس کشش کا نام عشق ہے اور دل جام جہاں نما بن جاتا ہے ۔ اور کون مکاں کے اسرار منعکس ہونے لگتے ہیں ۔ انسانی ارتقاء کی شدت کا نام عشق ہے ۔ جس کا مقصد ذات حق میں فنا ہو جاتا ہے ۔ خود کو ذات لامحدود میں گم کر دینا ہے ۔ یہ وہ منزل ہے جہاں روح انسانی وجود کے تصرف سے آزاد ہو کر عالم بالا کا سفر شروع کرتی ہے ۔ جسے صعود کہتے ہیں ۔

مولوی معنوی فرماتے ہیں ۔

شمۂ زیں حال عارف واں نمود

خلق را ہم خواب حسی در ربود

فرماتے ہیں کہ تمہیں کیا معلوم حال عارف کیا ہے ۔ جب وہ رات کو نیند کی حالت میں ہوتے ہیں تو ان کی روح کہیں اور ہوتی ۔ وہ عالم ملکوت کی سیر کرتے ہیں ۔ اور جب وہ اٹھتا ہے تو اس کی روح میں ایک آسمانی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے ۔

علامہ فرماتے ہیں۔

مکانی ہوں کہ آزاد مکاں ہوں

جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں

وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست

مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

فلسفہ جمالیات کے حوالے سے ہم عشق کو دراصل جمالیاتی سرور و سوز بھی کہتے ہیں۔ فلسفہ جمالیات میں سوز و سرور۔ آرزومندی ہے۔ یہ اصطلاحیں تین، اصطلاحی الفاظ سے مرکب ہیں، جن کی علیحدہ علیحدہ تشریح کی جاتی ہے۔ آرزومندی کا مطلب ذات حق سے عشق یعنی انسان کو اپنے اللہ و رب سے شدید محبت یا عشق تو اس سے اسے ایک سوز ملتا ہے۔ دوسرے سرور سوز سے مراد جمالیاتی درد و سوز ہے۔ جو ایک سرور انگیز کیفیت غم، محبت سے عبارت ہے۔ جو خوف رحزن یا ریا خناوت شکن و سعادت آفریں اور ذوق و شوق افزا ہوتی ہے سرور سے جمالیاتی سرور مراد ہے۔ جس کا مطلب سکینت دل اور طمانیت نفس کی سرور انگیز ٹھنڈک ہے۔ یہ سچی خوشی پر دلالت کرتی ہے۔

افلاطون نے اپنے مشہور مکالمے سمپوزیم میں عشق آفاقی کا تصور پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عشق کا تعلق روز ازل سے حسن مطلق کے ساتھ رہا ہے۔ جب کوئی شخص عالم ظواہر میں کسی حسن کو دیکھتا ہے تو اس کی روح میں حسن مطلق کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

جس کا وہ حسین سایہ ہے کہ حسن وجمال کے مشاہدے سے ہم پر وجد و حال کی کیفیت چھا جاتی ہے۔ افلاطون کی مثالیت میں معقولات اصل ہیں محسوسات ان کے عکس ہیں۔ عالم مثالی سکونی ہے۔ تغیر و حرکت صرف عالم ظواہر میں ہے۔ زماں غیر حقیقی ہے یعنی وقت کا نہ کوئی آغاز ہے نہ کوئی انجام وقت کی گردش مستقیم نہیں بلکہ دولابی ہے۔ کائنات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ خیر مطلق جسے وہ خدا کہتا ہے وہ احد حقیقت ہے۔ جس سے دوسرے امثال متفرّع ہوئے ہیں۔ وہ خیر مطلق کو حسن مطلق کا نام بھی دیتا ہے کہ اس کے نظریے میں خیر اور حسن ایک ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ روح انسانی عالم ظواہر میں اگر مادّے کی اسیر ہوئی ہے۔ اور اپنے اصل ماخذ یعنی حسن مطلق کی طرف لوٹ جانے کے لیے ہمہ وقت بے قرار رہتی ہے۔ حسن مطلق کی کشش ارواح کو ان کے مبدٔ حقیقیؔ کی یاد دلاتی رہتی ہے۔"

کیونکہ عشق حسن سے پیدا ہوتا ہے اور پھر خود حسن آفرینی کرتا ہے۔ حسن و عشق ایک دوسرے کے علت و معلول ہوتے ہیں۔ روحوں کا اصلی ماخذ اور مقام ذات الٰہی ہے کسی ناقابل فہم حکمت اور ناقابل ادراک مشیئت سے یہ ارواح اپنی اصل سے الگ ہو جاتی ہیں۔ فراق کی وجہ سے روح بے تاب ہو جاتی ہیں۔ اور اصل الی الاصل ہونا چاہتی ہیں۔ ہر روح اپنی اصل کی جانب کشش محسوس کرتی ہے۔ اسی لیے تمام حیات وکائنات اسی جذبہ و کشش کا مظہر ہیں جو کچھ ظہور میں آتا ہے اور جو کچھ ظہور میں آیا اس کا محرک عشق ہے۔ تمام کائنات میں مراتب درجات اور تنزلات کا ایک سلسلہ ہے۔ تمام تنزلات میں اسی ارتقاء کا میلان ہے۔

کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی اصل کی طرف رجعت کی جائے۔ کیونکہ ہر قسم کی حقیقی ترقی عشق ہی کی بدولت ہوتی ہے۔

فلسفہ قرآن کے حوالے سے عشق وہ کامل سپردگی ہے۔ جہاں بندۂ مومن تابع نفس نہیں رہتا۔ بلکہ صرف احکام الٰہی کا پابند ہو جاتا ہے۔ عشق دراصل سپردگی کی انتہاء کا نام ہے۔ جہاں انسان کسی اعلیٰ میں فنافی اللہ ہو کر عارف باللہ ہو جاتا ہے۔ حقیقتاً وہ بقادر فنا نہیں بلکہ فنادر بقا بن جاتا ہے۔

اس لیے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

در دو عالم ہر کجا آثار عشق

ابن آدم سرے از اسرار عشق

سر عشق از عالم ارحام نیست

او زحام و روم و شام نیست

حرف انی جاعل تقدیر او

از زمین تا آسمان تفسیر او

برتر از گردوں مقام آدم است

اصل تہذیب احترام آدم است

ارشاد باری تعالیٰ ہوا سورہ انعام میں۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: ”اے محمدؐ کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیم کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا۔ اور وہ مشرکوں میں نہ تھا۔ کہو، میری نماز میرے تمام مراسم عبودیت میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور سب پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔“

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں مکمل خود سپردگی ہو اس ذات مطلق کی طرف جو تمام کائنات کا رب العالمین ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مولوی معنوی خود سپردگی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

خویش را تسلیم کن بر دار مزد

وانگہ از خود بے زخود چیز بر زد

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ خود بینی کے کیا معنی ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو حق تعالٰی کے سپرد کردو۔ اور اس کا معاوضہ حاصل کرو۔ اور اس وقت اور اپنی خودی سے ترک خودی کی بدولت اگر چاہو تو کچھ صفات کو زائل بھی کر لو۔

مولوی معنوی اپنی مثنوی میں تعریف عشق اس طرح کرتے ہیں۔

پرّ و بال ما کمندِ عشق اوست

موکشانش میکشد تا کوئے دوست

من چہ گویم ہوش دارم پیش و پس

چوں نباشد نور یارم پیش و پس

جسم خاک از عشق بر افلاک شد

کوہ در رقص آمد و چالاک شد

عشق جان طور آمد عاشقا

طور مست و خرّ موسیٰ صعقا

کوزہ چشم حریصاں پر نشد

تا صدف قانع نشد پر در نشد

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد

او ز حرص و عیب کلی پاک شد

شاد باش ، عشق سودائے ما

اے طبیب جملہ علتہا ئے ما

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ کمند عشق ہمارے لیے (عشاق کے) پر و بال کا کام دیتی ہے ۔ جو اس عاشق کو کوچہ یار تک مو کشاں لے جاتی ہے ۔ جب میرے یار کا نور آگے پیچھے ہر طرف نہ ہو تو میں کیونکر کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے پس و پیش کا ہوش باقی ہے ۔

یہ عشق ہی تو تھا کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جسم خاکی آسمان پر چلا گیا اور عشق کی خوشی میں کوہ طور مست ہو کر ناچنے لگا ۔ لیکن حریص لوگوں کی بھوکی آنکھ کا کوزہ کبھی پُر نہ ہو جب تک سیپ کی طرح قناعت نہ کریں ، اور موتیوں سے مالا مال نہ ہوں عشق نے تو اپنی ہستی کو بے جان کر لیا ہے ۔ وہ تمام خوف و خطرے سے ماوراء ہے ۔

اے عشق جو ہمارا جنون ہے ۔ اے ہمارے اخلاقی و روحانی امراض کے طبیب تو خوش رہے ۔

علامہ عشق کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

"رومی"

مذہب عصر نو آئینے نگر

حاصل تہذیب لا دینے نگر

زندگی را شرع و آئین است عشق

اصل تہذیب است دین دین است عشق

ظاہر او سوزناک و آتشں

باطن او نور رب العالمین

علامہ رح

منزل عشق پر انسان کی روح بیدار اور قلب زندہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے حقیقی ارتقائی سفر کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ جہاں وہ اپنی حثیت میں خود کائنات بن جاتا ہے۔ اور اس کی قلب و نظر کی پوشیدہ قوتیں ملکوتی اسرار کو آشکار کر لیتی ہیں۔ اور اپنے عشق کا گھوڑا ملکوتی عرش پر دوڑاتا نظر آتا ہے۔ یعنی عشق اس منزل کا نام ہے کہ انسان اپنے نفس کو پہچان لے۔ اور اپنی پوشیدہ قوتوں کو اجاگر کرے جن کی مدد سے وہ زمان و مکان سے ماورا ہو جائے اور تسخیر موجودات کا باعث بنے۔

علامہ فرماتے ہیں۔

ایں نکتہ کشائندۂ اسرارِ نہان است

ملک است تن خاکی و دیں روحِ رواں است

تن زندہ و جاں زندہ ز ربطِ تن و جان است

با خرقہ و سجادہ و شمشیر و سناں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں خیز!

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی!

دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی

اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی

صہبائے یقیں در کش و از دیر گماں خیز

از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز

از خواب گراں خیز!

عشق وہ منزل ہے جہاں انسان علم اکتسابی سے تعلق توڑ کر علم وھبی سے تعلق قائم کرتا ہے اور منزل انقا پر اُس پر کشف و الہامات ہونے لگتے ہیں۔ اور انسان حقیقی علم کے بحر میں ڈوبتا چلا جاتا ہے، منبع علم بن جاتا ہے۔ لیکن طلب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے "ربی زدنی علماً"، اسی لیے فلسفہ عشق میں علم کی تعریف یہ ہے کہ علم دراصل جہل عرفان کا نام ہے۔

بیا اے کشف ما اے حاصل ما
بیا اے عشق اے رمز دل ما
کہن گشتند ایں خاکی نہاداں
دگر آدم بنا کن از گل ما

(ب)

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن !
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن !
بندۂ تخمین و ظن ! کرمِ کتابی نہ بن !
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب،
عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات !
علمِ مقامِ صفات، عشق تماشائے ذات !
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات !
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب !
عشق کے ہیں معجزات، سلطنت و فقر و دیں !
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں !

عشق مکان و مکیں! عشق زمان و زمیں!

عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتح باب!

شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام

شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام

عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام

علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے امُ الکتاب !

طریقت کے حوالے سے عشق پر مکمل بحث فلسفہ رومی اور اقبال کی روشنی میں اُس وقت مکمل ہو سکتی ہے جب عشق کے چار لوازم کی الگ الگ جامع تشریح فکر اقبال اور رومی کی روشنی میں کی جائے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اسرار قلب (نفس مطمئنہ)

(۲) عقل

(۳) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

(۴) مرکز عشق

(۹) اسرار قلب (نفس مطمئنہ)

قلب انسانی کیا ہے ؟ عشق میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قلب سے مراد گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں جو انسان کے بائیں طرف دھڑک رہا ہے۔ بلکہ یہ ایک لطیفہ روحانی ہے جس کا تعلق قلب جسمانی سے ہے یہی لطیفہ حقیقتِ انسانی کہلاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رح اپنی مشہور کتاب مذاق العارفین (احیاء العلوم) میں عجائبات قلب پر جامع بحث کرتے ہیں۔ قلب کے حوالے سے امام موصوف کے کچھ ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ " قلب کے دو لشکر ہیں ایک وہ ظاہری آنکھ سے محسوس ہوتا ہے۔ اور ایک وہ جو عقل کی آنکھ سے سوجھتا ہے۔ اور وہ دونوں قلب کے لیے بمنزلہ خادم اور مددگار کے ہیں۔

امام غزالی رح مذاق العارفین جلد سوئم صفحہ ۱۲

اور یہاں لشکر کے یہی معنی ہیں پس وہ لشکر جو ظاہری آنکھ سے سوجھتا ہے وہ ہاتھ پاؤں زبان آنکھ کان ناک اور تمام اعضاء ظاہری اور باطن ہیں کہ سب کے سب اس کے خادم اور مسخر ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے۔ اُن میں تصرف کرتا ہے۔ یہ سب اُس کی اطاعت کے لیے پیدا ہوئے ہیں حتیٰ کہ اس کے خلاف قدرت نہیں رکھتے اور نہ اُس سے منحرف ہو سکتے ہیں۔ (۱)

حاصل گفتگو یہ کہ قلب کے خادم تین قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ کہ اُس کو کسی شئے کی طرف رغبت دلاویں خواہ حصول نفع کی طرف مثل بھوک کے خواہ دور کرنے کی طرف مثل غضب کے اس قسم کے خادم کو ارادہ بھی کہتے ہیں دوسری قسم وہ ہے جو حصول مقصود کے لیے اعضاء کو حرکت دیتی ہے اُس کو قدرت و طاقت کہتے ہیں جو تمام اعضاء خصوصاً رگ وپے میں پھیلی ہوئی ہے۔ تیسری قسم جاسوسوں کی طرح مدرک اور پہنچانے والی اشیا کی ہے۔ وہ قوت دیکھنے اور سونگھنے سننے اور چکھنے اور چھونے کی ہے جو اعضاء معنیہ میں موجود ہے اس قسم کا نام علم وادراک ہے اور ان باطنی لشکروں میں سے ہدایت کے ساتھ ظاہری لشکر بھی ہیں۔

اسی لیے دراصل قلب باطن کی صفائی کرتا ہے اور

---

(۱) مذاق العارفین۔ امام غزالیؒ جلد سوئم۔

اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ؕ

امام غزالی نے عجائبات قلب کے حوالے سے نہایت دقیق اور تفصیلی بحث احیاء العلوم میں کی ہے۔ نکر غزالی اور دوسرے صوفیائے اکرام کی روشنی میں قلب اللہ باقتدار کا عرش ہے۔ اس کی ہویت انسان میں معمور ہے۔ یعنی تمام وجود انسانی میں وسرایئت کیے ہوئے ہے۔ اس میں حق کا ظہور ہے جس میں اس کی منفعت بھی ہے اور مفرت بھی بالحقیق وہ رحمٰن کی قیام گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلب کو اپنے ستر کا مرکز بنایا ہے اور تمام کون ایمان کے دائروں کا وہ محیط ہے۔ اسی لیے وہ صوفیائے اکرام کی تحقیق میں منظر اعلیٰ اور مجلی آلان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بحر مسجود دقّ منشور۔ متصف مرفوع یہ سب چیزیں اس میں ہیں۔ وہی چیز ہے جس کی اپنی محکم قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے مثل بیان کی ہے۔ جو سورہ نور میں مزکور ہے۔ جس میں زیت مصباح یعنی چراغ، طاق قندیل جو مثل کوکب درخشاں ہے ذکر آتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رھگذر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رھگذر کو کیا خبر ہے!

دراصل عقل تو چراغ راہ گزر ٹھری مگر درون خانہ کے ہنگامے اور آسمانی بے چینیوں کا مرکز قلب انسانی ٹھرا کیوں وہ حقائق کے لیے مثل آئینہ بھی ہوتا ہے۔

علامہ اقبال رح اپنے مشہور خطبہ "علم اور مذہبی مشاہدات" میں تعریف قلب اس طرح کرتے ہیں۔

۱ "اس لیے ہمیں چاہیئے اس کا استعمال بے روح تقلب کی بجائے اس مقصد عظیم کے لیے کریں کہ ہمیں اپنی روحانی زندگی میں آزادی کے ساتھ مدارج کمال کی طرف بڑھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقت مطلقہ کے تمام وکمال علم کی خاطر ادراک بالحواس کے ساتھ ساتھ اس چیز کے مدرکات کا اضافہ بھی ضروری ہے جسے قرآن پاک نے "فواد" یا قلب سے تعبیر کیا۔

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾

"قلب" کو ایک طرح کا وجدان یا اندرونی بصیرت کہیے جس کی

---

۱ The Reconstruction of Religious Thought in Islam

پرورش مولینا روم کے دلکش الفاظ میں نور آفتاب سے ہوتی ہے۔ اور جس کی بدولت ہم حقیقت مطلقہ کے اُن پہلوؤں سے اتصال پیدا کر لیتے ہیں جو ادراک بالحواس سے ماورا ہیں۔ قرآن مجید کے نزدیک قلب کو قوت دید حاصل ہے۔ اس کی اطلاعات بشرطیکہ ان کی تعبیر صحت کے ساتھ کی جائے تو کبھی غلط نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی پُر اسرار قوت ہے اسے دراصل حقیقت مطلقہ تک پہنچنے کا وہ طریقہ ٹھہرانا چاہیئے جس میں باعتبار عضویات حواس علم، کا جو ذریعہ پیدا ہوتا ہے ایسا ہی قابل اعتماد ہوگا جیسے کسی دوسرے مشاھدے سے اور جسے اگر باطنی یا صوفیانہ یا فوق العادۃ ٹھہرایا جائے تو بحیثیت مشاھدہ اُس کی قدر قیمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

دراصل نفس انسانی قلب کی بدولت ہی نفس امارّہ سے نفس لوامّہ اور نفس لوامّہ سے نفس مطمئنہ تک پہنچتا ہے۔

اگر میں عشق کی تعریف یوں کروں تو بیجا نہ ہوگا کہ نفس مطمئنہ کے اظہار اور اُس کے اعلیٰ سفر کا نام عشق ہے۔

قرآن کریم میں سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

ترجمہ: جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے مالک مجھے دکھا دے تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ فرمایا کہ تو ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے فرمایا۔ اچھا تو چار پرندے لے اور اُن کو اپنے سے مانوس کر لے پھر اُن کا ایک ایک جزو ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کا پکارو وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لے کہ اللہ نہایت با اقتدار اور حکیم ہے۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں موت وحیات کے فلسفہ پر اطمینان چاہتا ہوں اور دعا ابراہیمی قبول ہوئی کہ حضرت ابراہیم زندگی کو نفس مطمئنہ بن کر کسی اور رنگ میں دیکھنے لگے اور اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی میں کوئی دریغ نہیں کیا کیوں کہ حضرت ابراہیم کی نظر میں مفہوم زندگی کچھ اور تھا۔

مولوی رومی رح فرماتے ہیں میری واپسی کا نقارہ " ارجعی" کی ندا ہے۔ خدا خود اُس کا گواہ ہے۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کا ہم جنس

نہیں اُس سے بہت دور ہوں مگر اپنی تجلی میں اُس سے نور حاصل کر رہا ہوں اور نفس مطمنۂ بن کر اُس کی طرف سفر حقیقی کر رہا ہوں۔

طبل باز من ندا ئے" اِرجعی"
حق گواہ من برغم مُدّعی!
من نیم جنس شہنشہ دور ازو
لیک دارم در تجلی نور از
باز نور دل نور خدا است
کوز کوز عقل و حس پاک جدا است
(رومی رح)

علامہ فرماتے ہیں۔

جہانبانی سے ہے دُشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو ہوتی ہے براہیمی نظر پیدا

براہیمی نظر نفس مطمنۂ کی اعلیٰ منزل کا نام ہے۔ جہاں نگاہ قلب کائنات کے جزو کل کو پرکھنے لگتی ہے اس لیے صوفیائے اکرام نے حضرت ابراہیم ؑ کے نفس مطمنۂ کو بھی عشق سے تعبیر کیا ہے۔

نفس مطمنۂ عشق کی وہ اعلیٰ منزل ہے۔ جہاں بندۂ مومن

خدا کی طرف اپنی مرضی سے سفر شروع کرتا ہے۔ اور خدا اُس کے راضی ہوتا ہے

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾

مولانا معنوی اسرار قلب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

انسان کا دل ایک حوض کی طرح ہے جو اندر سے ایک بے پایاں دریا سے ملا ہوا ہے۔ انسان کی اپنی علم و عمل کی قوتیں محدود ہیں لیکن اگر حوض کا اندرونی راستہ (قلب) جو اس کو دریا سے ملا رہا ہے کھلا رہے تو فیضان و عرفان بھی بے پایاں ہو سکتا ہے۔ اگر محدود کا تعلق لامحدود سے منقطع ہو جائے تو بند پانی جلد چپرح ہو جائے گا یا اُس میں بو پڑ جائے گی۔

دراصل قلب وسیلہ ہے محدود سے لامحدود کے تعلق کا۔

زانکہ دل حوضے ست لیکن در کمیں
سوئے دریا راہ پنہاں دار داین

پاکئ ایں حوض بے پایاں بود
پاکئ اجسام کم میزاں بود

پاکئ محدود تو خواہد مدد
ورنہ اندر خرچ کم گردد عدد

مولوی معنوی کی مثنوی میں فلسفہ عشق کے حوالے سے قلب کو مرکز عشق قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تشریح مولانا رح نے مختلف انداز میں کی اور مولانا روم نے کلیات شمس تبریزی میں دل کے متعلق بڑی اہم غزل کہی ہے جو فلسفہ قلب (دل) کے سمجھنے والوں کے لیے بہت اہم ہے۔ اسی انداز سے علامہ اقبال نے بھی کہا ہے۔ جس میں اسرار قلب مکمل طور پر واضح ہو گئے ہیں۔ کیوں کہ عقل کے مقابلے میں انسان کے اندر براہ راست مائیت حیات کا وجدان ہے۔ جس میں نہ زماں و مکاں کو دخل ہے نہ منطقی استدلال کو اسی وجدان سے عشق پیدا ہوتا ہے جو عقل سے زیادہ منکشف مایت حیات ہے۔ زماں مکاں کی لامتناہی اس میں غرق ہے۔ مولانا روم رح فرماتے ہیں

بقا اندر بقا باشد طریق کم زنان ای دل
یقین اندر یقین آمد قلندر ہی گمان ای دل

بہر لحظہ ز تدبیری باقلیمی رود میری
ز جاہ و قوت پیری کہ باشد غیب دان ای دل

کجا باشید صاحب دل دو روز اندر یکی منزل

چو او را سیر شد حاصل از آن سوی جهان ای دل

(۱) چو بگذشتی تو گردون را بدیدی بحر پر خون را

ببین تو ماه بیچون را بشهر لامکان ای دل

زبون آن کشش باشد کسی کان ره خوشش باشد

روانش پرچشش باشد زهی جان وروان ای دل

دهد نوری طبیعت را دهد دادی شریعت را

چو بسپارد ودیعت را بدان سرحد جان ای دل

شنودی شمس تبریزی گمان بردی از و چیزی

یکی سری دل آمیزی ترا آمد عیان ای دل

(روم رح)

* * *

---

(۱) مولانا روم رح کلیات شمس تبریزی

علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

دِل

قصۂ دار و رسن بازیِ طفلانۂ دل
التجائے اَرِنی سرخیٔ افسانۂ دل

یا رب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی!
جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل

ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب!
جل گئی مزرعِ ہستی تو اُگا دانۂ دل

حسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل

تو سمجھتا نہیں اے زاہد ناداں! اس کو
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل
خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل
عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

ایک اور غزل میں مولوی معنوی فرماتے ہیں

همه را لطف دل لطفست از انم بی قراری دل (۱)
دلم پر چشمۂ حیوان تنم در لاله زاری دل
بزیر هر درختی بین نشسته بهر روی شه
ملیحی یوسفی مه رو لطیفی گلعذاری دل
فگنده در دل خوبان روحانی و جسمانی
ز عشق روح و جسم خود ز سودا هاشراری دل
در آگنده ز شادیها درون چاکران خود
مثال دانهای در که باشد در اناری دل

---

(۱) کلیات شمس تبریزی مولوی روم رح

بزم او چو مستانرا کنار و لطفها باشد
بگیر بد آب با آتش ز عشقش هم کنار ای دل

در آن خلوت که خوبان را بجام خاص بنوازد
بود روح الامین حارس و حصرس پرده دار ای دل

(۹) چو از بزمش برون آید کمینه چاکرش سکران!
ز ملک و ملک و تخت و بخت دارد ننگ و عار ای دل

گلستانها و ریحانها شقایقهای گوناگون
بنفشه زارها بر خاک و باد و آب و نار ای دل

که این گلهای خاکی هم ز عکس آن همی روید
تو خاکی می خوری اینجا ترا آنجا چه کار ای دل

بزن دستی و رقصی کن ز عشق آن خداوندی
که چون یوسی از و یابی کند آفت کنار ای دل

بجان پاک شمس الدین خداوند خداوندی
که چون یوسی از و یابی اگر خواهی فرار ای دل

کلیات شمش تبریزی مولوی روم رح

بخاک پای تبریزی که اکسیرست خاک او

که جانها یابی ار یروری کنی جانی نثار ای دل

کنون از هجر پایم چنین بنسیست از آتش

(۱) زیادش مست و مخمورم اگرچندم نزار ای دل

بسودای چنان بختی که معشوق از سر دستی

بدستم داده بود از لطف دنبال صهار ای دل

بگرد سر کیم بودی بزیر سایهٔ آن شاه

هزاران شاه در خدمت بصفها در قطار ای دل

ازین سو نه از آن سوی جهان روح تا دانی

که آنجا که نه امسالست و آن سالست یار ای دل

چو دیدم من عنایتها ز صدر غیب شمس الدین

شدم مغرور خاصه مست و مجنون و خمار ای دل

چنان حلمی و تمکینی چنان صبر خداوندی

که اندر صبر ایوبش نتاند بود یار ای دل

---

(۱) کلیات شمس تبریزی مولوی معنوی ؒ

پری و دیو به پیش تو بسته اند کمر
ملک سجده کند واختر و سما ای دل
کدام دل که برار داغ بندگی تو نیست
کدام داغ غمی کش نمای دوا ای دل
امروز بحمد الله از دی بترست این دل
امروز درین سودا رنگی دگرست این دل
در زیر درخت گل دی باده همی خورد او
ارخورد دن آن باده زیر و زبرست این دل
از بس که نبی عشقت نالید درین پرده
از ذوق نبی عشقت همچون شکرست این دل
بند کمرت گشتم ای شهره قبای مس
تا بسته بگرد تو همچون کمرست این دل
رومؒ

از پرورش آیت ای بحر حلا و تہا
ہمچون صدنست این تن ہمچون گہرست این دل
چون خانۂ ہر مؤمن از عشق تو ویران شد
ہر لحظہ درین شورش بر بام و ورست این دل

علامہ اقبال رح دل کے بارے میں فرماتے ہیں

"دل"

دل آں بحر است کو ساحل نہ ورزد
نہنگ از ہیبت موجش بلرزد
ازاں سیلے کہ صد دریا ہوں بیگرد
فلک با یک حباب او نیرزد

دل ما آتش و تن موج دودش
تپید و مبدم ساز وجودش
بذکر نیم شب جمعیت او
چو سیما بے کہ بند و چوب عودش

"عقل و دل"

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقل خدا داد کی زد سے
عالم ہے غلام اس کے جلال ازلی کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خرد سے

"عقل"

عقل مفتاح انوار مبدئ بصیرت اور علوم کے لئے جال اور معارف کے واسطے شکار کرنے کا آلہ ہے علم الٰہی کی شکل کا محل اور قلم اعلٰی ہے پھر اس سے لوح محفوظ میں علم نازل ہوتا ہے وہ لوح کا اجمال ہے اور لوح اس کی تفصیل ہے بلکہ وہ علم اجمال الٰہی کی تفصیل ہے اور لوح اُس کا تعین و منزل ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق عقل تخلیق کی اسی لئے اگر علم الٰہی ام الکتاب ہے تو عقل اول امام مبین اور لوح کتاب مبین ہیں لوح قلم کی تابع اور اس کے پیچھے ہے اسی لئے قلم عقل اول ہے لوح پر حاکم ہے" حضرت عبدالکریم جیلی نے علم تصوف کی قدیم ترین کتاب "الانسان الکامل" لکھی۔ فرماتے ہیں۔

(۱) "عقل اول عقل کلی میں اور عقل معاش میں فرق یہ ہے کہ عقل اول علم الٰہی کا نور ہے کہ اول تنزلات خلقیہ تعینیہ میں اس کا ظہور ہوا اگر تو چاہے تو کہہ دے وہ اجمال الٰہی کی تفصیل اول ہے اسی لیئے حضورؐ نے فرمایا اولؐ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور وہ جمع حقائق خلقیہ سے حقائق اللہ کے زیادہ قریب تر ہے پھر جان عقل کل قوت عاقلہ ہے یعنی مدرکہ نور یہ ہے جس میں اُن

---

(۱) الانسان کامل عبدالکریم جیلی۔ بحوالہ

علوم کی صورتیں ظاہر ہوئیں جو عقل اوّل میں مودوع یعنی امانت رکھے گئے ہیں ایسا نہیں ہے جیسا کہ اس شخص کا قول ہے جس کو اس امر کی شناخت نہیں ہے کہ عقل کل تو وہ شے ہے جس میں ہر ذی عقل کی عقل افراد جس میں شامل ہیں اور اس قول کو یہ دلیل توڑتی ہے کہ عقل میں کوئی تعدد نہیں کیونکہ وہ ایک جوہر فرد ہے اس کی مثال ارواح انسانیہ ملکیہؔ وجنیہؔ کے عنصر کی سی ہے نہ ارواح لسمیتیہ کے عنصر کی سی اور عقل معاش وہ نور ہے جس کا قانونِ فکری وزن کیا جاتا ہے وہ بجز آلہ فکر کے ادراک نہیں کیا جاتا۔"

اسی لئے عشق اور وجدان اگرچہ باطن حیات کے چشمے ہیں لیکن عقل کو برطرف کر کے وہ کبھی بھی تکمیل حیات کا باعث نہیں بن سکتے تقاضہ زندگی یہ ہے کہ عقل و عشق ہم آغوش ہو جائیں۔

حکیم ابن رشد نے اسی لئے وحدت عقل فعال کا نظریہ پیش کیا اگر سخن موتیوں کا خزانہ ہے لیکن عقل کی تابش موتیوں سے بڑھ کر ہے عقل دراصل عارفوں کی صبح کا فروغ ہے اور فلاسفہ کی راتوں کا نور۔

لیکن علامہ اقبالؒ اور مولانا روم کا سرسری مطالعہ کرنے والے عقل کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔ علامہ اور رومیؒ نے عقل کی کہیں بھی مخالفت نہیں کی کہ بلکہ عقل جزوی اور عقل استدلالی کی پرزور طریقہ سے مخالفت کی ہے۔ عقل کی اس لئے مخالفت نہیں ہو سکتی کیونکہ میرے نزدیک عقل کی صیقل شدہ شے کا نام عشق ہے دراصل عقل منزل عرفان پہ پہنچ کر عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک عقلِ محض خود خدا ہے۔

کیونکہ تکمیل و ارتقائے حیات کے لئے عقل ایک اعلیٰ درجے کا وسیلہ ہے عقل کا مقصود کلیت کا احاطہ کرنا ہے مگر استدلالی عقل جزوی

حقائق میں اُلجھ جاتی ہے اور جزء کو کل سمجھنے لگتی ہے عقل جزوی محسوس پرست اور ہوس پرست ہو جاتی ہے لیکن عقل اگر اپنی پوری قوت وسعت سے کام لے تو وہ بھی حقیقت رس ہو سکتی ہے عقل اجزائے حیات کا تجزیہ کر کے اُن میں روابط تلاش کرتی ہے جزئیات کو استخراج اور استقراء سے کلیات کے تحت لانے میں کوشاں رہتی ہے عقل فعال مادے کی گرفت سے آزاد ہے۔ مولانا روم رح عقل جزوی کی مخالفت میں فرماتے ہیں

عقل تو دستور و مغلوب ہواست
در وجودت رہزن راہ خداست

ہمچو جاں باشد شہ و صاحب چو عقل
عقل فاسد روح را آرد بنقل

آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد
سحر آموز دوصد طاغوت شد!

عقل جزوی را وزیر خود مگیر
عقل کل را ساز اے سلطان وزیر

کایں ہوا پر حرص و حالی بیں بود
عقل را اندیشہ یوم الدین بود

بارہ عقل از بس پلاہا دارہی
پائے خود براوج گردونہا نہی!

نفس چوں با نفس دیگر یار شد
عقل جزوی عاطل و بیکار شد

مولانا معنوی فرماتے ہیں تمہاری (مملکت وجود کے اندر بھی) عقل (معاش روح کی) وزیر ہے اور وہ خواہش نفسانی سے مغلوب ہے وہ عقل راہ خدا کی رہزن ہے بادشاہ گویا روح ہے۔ وزیر مثل عقل خراب عقل روح کو متغیر کر دیتی ہے جس طرح برا وزیر بادشاہ کو گمراہ بلکہ تباہ کر دیتا ہے۔ اسی لیئے اگر عقل بمنزلہ فرشتہ ہاروت بن جائے تو دو سو شیطانوں کو جادو سکھانے لگتی ہے اس لیئے ناقص عقل کو اپنا وزیر نہ بناؤ جو ہوا ہوس سے متاثر اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہے عقل نورانیہ کو اپنا وزیر بناؤ جو قید نفس سے آزاد اور ضلالت سے محفوظ ہے عقل جزوی خواہش نفسانی اور حرص سے پر اور موجودہ (عالم) کو نصب العین بنانے والی ہے اور عقل کامل آخرت کے دن کا خیال کرتی ہے اسی لئے اگر عقل کامل کا سہارا لوگے تو یہاں تک ترقی کروگے اپنا پاؤں آسماں کی بلندی پر جا رکھو گے۔ عقل کامل کی تعریف میں مولوی معنوی فرماتے ہیں۔

مثنوی مولانا روم دفتر چہارم جلد اوّل۔

جہد کن تا پیر عقل و دیں شدی
تا چو عقل کُل تو باطن بیں شوی!
از عدم چوں عقل زیبا رو نمُود!
خلقش داد و ہزاراں عز فزود
عقل چوں از عالم غیبی کشاد
رفعت افزود و ہزاراں نام داد

مولانا معنوی فرماتے ہیں کہ اے عارف کوشش کر کے تو سفید بال و داڑھی کا بزرگ نہیں بلکہ عقل کل کا بزرگ بن اور عقل کل کی طرح باطن کو دیکھنے والا بن جا جب عقل زیبا عدم سے ظاہر ہوئی تو (قدرت حق نے) اس کو خلعت بخشی اور ہزاروں طرح اس کی عزت افزائی کی عقل جب عالم غیب سے نکلی تو حق تعالےٰ نے اس کی برتری زیادہ کی اور اس کے ہزاروں نام رکھے۔ ایک اور جگہ مولوی معنوی رح ناقص عقل اور عشق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

دانش ناقص کجا ایں عشق زار
عشق زاید ناقص امّا بر جماد

دانش ناقص نداند فرق را

لاجرم خورشید داند برق را

چونکہ ملعون خواند ناقص را رسول

ہست در تاویل نقصان عقول

لطفِ عقل خوش نہاد خوش نسب

چوں ہمہ تن را درآرد در ادب

عشق تشنگ بے قرار بے سکوں

چوں درآرد کُلّ تن را در جنوں

مولانا روم رح فرماتے ہیں کہ حقیقی و مجازی ۔ اصلی ونقلی۔ باقی و فانی کے فرق کو عقل جزوی نہیں سمجھتی اسی لئے بجلی کی چمک کو آفتاب ہی سمجھ لیتی ہے ۔ ناقص عقل عشق حقیقی کو کہاں پیدا کر سکتی ہے لیکن ناقص عقل عشق پیدا کرتی ہے جسے عشق مجازی کہتے ہیں لیکن جو عقل نیک ہوتی ہے کامل ہوتی ہے تمام جسم و جوارح کو مہذب بنا دیتی ہے عشق شوخ بے قرار اور بے چین کو دیکھو کہ تمام جسم کو کس طرح مبتلائے دیوانگی کر دیتا ہے ۔

مولانا روم رح کے کلام میں عقل جزوی اور عقل کامل کی بحث کے بعد یہ بات مکمل طور پر واضح ہو گئی کہ علامہ نے جہاں کہیں بھی خرد کی مخالفت کی اس سے مراد عقل کامل نہیں عقل جزوی ہے اسی لئے علامہ فرماتے ہیں ۔

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے تیرا
تیری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

(و)
ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں نہ فکرِ افلاطوں

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں !
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

(ب)
خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
(ج) عشق تمام مصطفیٰؐ عقل تمام بولہب

(د) من بندۂ آزادم عشق است امامِ من
عشق است امامِ من عقل است غلامِ من

ہنگامۂ ایں محفل از گردشِ جامِ من
ایں کوکبِ شامِ من ایں ماہِ تمامِ من

جاں در عدم آسودہ بے ذوقِ تمنّا بوُ
مستانہ نوا ہا زد در حلقہ دامِ من

اے عالمِ رنگ و بوُ این صحبتِ ما تا چند
مرگ است دوامِ تو عشق است دوامِ من

پیدا بضمیرم او پنہاں بضمیرم او
این است مقامِ او دریاب مقامِ من   اقبالؒ

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ!
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ

مقام عقل سے آساں گزر گیا اقبال
مقام شوق میں کھو گیا وہ فرزانہ

ایک اور جگہ علامہؒ فرماتے ہیں۔

فطرت کو خرد کے روبرو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر
تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

تاروں کی فضا ہے بیکرانہ
چاک گل و لالہ کو رفو کر!!
بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اُس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا نہ زاہد نہ حکیم

"عشق"

عقلے کہ جہاں سوزد یک جلوۂ بیباکش
از عشق بیاموزد آئین جہاں تابی!
عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تب رومی تا حیرت فارابی
ایں حرف نشاط آوری گویم و می رقصم
از عشق دل آساید با ایں ہمہ بیتابی

مے شناسد ہر کہ از محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ قف
کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ ؕ لَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ سوائے اُس کی ذات کے فرمانروائی اُس کی ہے۔ اور اُسی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔

علم طریقت میں لاالٰہ الا اللہ کے فلسفہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اس کے اسرار رموز کو سمجھے بغیر انسان عشق کی منزل پر قدم نہیں رکھ سکتا۔

عقیدہ انسان یہی ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ہے اور کائنات کی تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی سوائے اللہ رب عزت کے انسان ریاضتوں، عبادتوں اور نیک خیالات کے ساتھ جب اس اعلیٰ ذات میں فنا ہو جانا چاہتا ہے۔ جسے ہم فنا فی اللہ کہتے ہیں اور انسان عارف باللہ بن جاتا ہے اُس کیلئے ضروری ہے کہ وہ انا کی نفی کریں اور اپنی میں کو کچل دے علامہ اقبال کا فلسفہ خودی انا نہیں بلکہ انانیت کی خودسپردگی کا نام ہے۔ جہاں انسان بقا بن جاتا ہے۔

مولوی معنوی فرماتے ہیں۔

کل شی ہالکٌ جز وجہ اُو
چوں نہ در وجہ اُو ہستی مجو!

ہرکہ اندر وجہ ما باشد فنا
کل شی ہالکٌ نبود جزا

زانکہ در الاّ ست او از لا گذشت
ہرکہ در الاّ ست او فانی نگشت!

---

(۱) دفتر اوّل جلد چہارم
مثنوی مولوی معنوی رح

بازہستی جہان حس و رنگ
تنگ تر آمد کہ زندانیست تنگ

علّت تنگی ست ترکیب وعدد
جانب ترکیب حسّ ہا مے کشد

زانسوئے حس عالم توحید داں
گریکے خواہی بداں جانب براں

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت
اندر استکمال خود دو اسپہ تاخت

زاں نمے پرّد بسوئے ذوالجلال
کو گمانے برد خود را کمال

علت ابلیس انا خیرٌ بداست
ویں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

مولانا روم رح فرماتے ہیں کہ۔ خداوند تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا باقی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے جب تم فنا ہو کر اس ذات میں شامل نہیں ہوئے تو اپنی ہستی کی امید نہ رکھو جو کوئی اللہ تعالیٰ

کی ذات میں فنا ہو جائے گا اُس کو کل شئ ھالک کی کلیت کے ماتحت ہلاکت کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی۔ کیونکہ (وہ) الا وجہہ کے ساتھ مشتھیٰ ہے وہ لا یعنی ھالک سے گزر گیا۔ جو کوئی الا میں ہے۔ وہ فنا فی اللہ ہوگیا اس لیے جس نے اپنا نقص محسوس کیا وہ حصول کمال کی راہ میں تیزی سے دوڑتا ہے۔ اس لیے جو شخص اپنے کمال کا گمان رکھتا ہے وہ ذو الجلال کی طرف پرواز نہیں کر سکتا۔ ابلیس کا مرض انا خیر ہے اس کو نہ اپناؤ بلکہ اپنی انا کی نفی کرو۔

پھر دیکھو عالم شہادت میں جہاں کی محسوس اور رنگا رنگ ہستی سبھی تنگ ہے کیونکہ وہ تنگ قید خانہ ہے۔ حس کے اس پار (انکشاف) توحید کا عالم ہے اگر تم کو واحد (حق) مطلوب ہے تو اس جانب کو بڑھو۔

مولانا ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

اوربہ نسبت باحیات حق فنا ست

درحقیقت درفنا اور ایقاست

جملہ ارواح در تدبیر اوست

جملہ اشباح در تاثیر اوست

دفتر چہارم جلد اوّل مثنوی مولانا روم رح

آنکہ او مغلوب اندر لطف ماست
نیست مضطر بلکہ مختار ولاست
منتہائے اختیار آنست خود
کاختیارش گردد ایں جا مفتقد

مولوی معنوی فرماتے ہیں کہ جو حق تعالیٰ کی حیات کے ساتھ منسوب ہو کر فانی ہو گیا در حقیقت وہ فنا نہیں بلکہ بقا ہو گیا۔ تمام ارواح اس (فانی فی اللہ و باقی ببقا اللہ) کی تدبیر اور تصرف میں ہیں کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا مراۃ و منظہر ہے اور تمام اجسام اس کے زیر اثر ہیں۔ کیوں کہ وہ خلیفہ فی الارض ہے۔ جو بندہ ہماری مہربانی میں مغلوب ہے وہ بے اختیار نہیں بلکہ ہمارا محبوب ہونیکی کی وجہ سے با اختیار ہے۔ بندہ کے اختیار کا معراج کمال تو یہی ہے اُس کا اختیار یہاں ہماری درگاہ میں معدوم ہو جائے۔ یہی وہ نظریات تھے جو علامہ اقبالؒ کی خودی کو تخلیق کرتے ہیں۔ منزل خودی پر بندہ مومن "میں اور تو" کی وہ گفتگو کرتا ہے۔ جس میں انا نہیں ہوتی بلکہ وہ فنا فی اللہ ہونے کے بعد اُس کا ہر عمل احکام الٰہی کا پابند ہو جاتا ہے وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا اُس کا جسم عالم اصغر سے عالم اکبر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

علامہ فرماتے ہیں۔

گیسوئے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر

عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

تو ہے محیط بیکراں، میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بیکنار کر!

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تُو مجھے گوہرِ شاہوار کر

(ب) وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نے نوازی

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے؟ یہ مکاں کہ لامکاں ہے؟
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی

اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومیؔ کبھی پیچ و تابِ رازیؔ

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

مولانا روم فرماتے ہیں۔

صورتش بر خاک و جاں در لامکاں
لامکانے فوق وہم سالکاں

علامہ فرماتے ہیں۔

زندہ رود

من کیم تو کیستی عالم کجا ست
درمیان ما و تو دوری چرا ست
من چرا در بندِ تقدیرم بگوئے
تو نہ میری من چرا میرم بگوئے

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ لا و الّا میں غواص کے گوہر مراد پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان بتان وہم گمان کو پاش پاش کر کے عقل و خرد کی وضع کی ہوئی حدود زماں و مکاں سے ماورا پرواز کرتے ہوئے لا الہٰ الّا اللہ کے عالم لاہوت میں محو مستغرق ہو جائے۔
علامہ فرماتے ہیں کہ میں عارف مرد کو ایک نکتہ بتاتا ہوں کہ قوموں کے لیے لا سراپا جلال ہے الّا جمال لا اور الّا کائنات کا بہترین

محاسبہ ہے۔ لا و الّا کے اعجاز سے کائنات کا دروازہ کھلتا ہے۔ ہر دو اس جہاں "کن" کی تقدیر ہیں اس کن کی حرکت سے تو لاؔ پیدا ہوتا ہے اور سکون سے الّا جب تک رمز لا الٰہ ہمارے ہاتھ نہ آجائے غیر اللہ کے بند کو ہرگز نہیں توڑا جا سکتا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ (علامہ اقبالؒ)

نکتۂ می گویم از مردانِ حال
اُمتاں را لاؔ جلال اِلّاؔ جمال

لَا و اِلّا احتساب کائنات
لَا و اِلّا فتح باب کائنات

ہر دو تقدیر جہانِ کاف و نون
حرکت از لا زاید از اِلّا سکوں

تا نہ رمز لَا اِلٰہ آید بدست
بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

در جہاں آغازِ کار از حرفِ لا ست
ایں نخستیں منزلِ مردِ خداست

ملّتے کز سوزِ او یک دم تپید
از گلِ خود خویش را باز آفرید

پیشِ غیر اللہ لا گفتن حیات
تازہ از ہنگامۂ او کائنات

از جنونش ہر گریباں چاک نیست
درخورِ ایں شعلہ ہر خاشاک نیست

جذبۂ او در دلِ یک زندہ مرد
می کند صد رہ نشیں را رہ نورد

بندہ را با خواجہ خواہی درستیز!
تخمِ لا در مشتِ خاکِ او بریز

ہر کرا ایں سوز باشد در جگر
ہولش از ہولِ قیامت بیشتر

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

خودی کا سِرِّ نہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
خودی ہے تیغ، فساں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زنّاری
نہ ہے زماں نہ مکاں! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکمِ اذاں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

فلسفہ لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر حضرت علامہ رح اپنے پیر و مرشد مولانا روم رح کی مکمل تقلید کرتے نظر آتے ہیں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ علامہ نے مولوی معنوی رح کی فکر کی اور اچھی طریقے سے وضاحت اپنے کلام میں پیش کی ہے مولانا روم کی غزل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ جس میں مولانا نے عشق حقیقی کو اس انداز میں پیش کیا۔

مولانا روم رح فرماتے ہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

(۹)

زہی لواء و علم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

کہ زد بر اوج قدم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

چگونہ گرد بر آورد شاہ موسیٰ وار

ز بحر ہست و عدم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

---

(۹) مولانا روم رح کلیات شمس تبریزی

ستاده اند صفات صفا ز خجلت او
بپیش او یقدم لا اِلٰہ اِلّا اللہ
یکی ستم ز وی از صد ہزار عدل بہ است
زہی خوشی ستم لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ز ہر طرف کہ نظر کردمی بروئیاند
ہزار باغ ارم لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ز غم بکناری رسم عجب روزی
ز موج لطف و کرم لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ندارد از شہ من ہیچ بوی جان آنکس
کہ بینیش تو بغم لا اِلٰہ اِلّا اللہ
چو دیدہ کحل نبذرفت از شہ تبریز
زہی دریغ و ندم لا اِلٰہ اِلّا اللہ
بر آید از دل و از جان الست شد مشنود
ہزار بانگ نعم لا اِلٰہ اِلّا اللہ

---

۱ مولانا روم رح کلیات شمس تبریزی

بهشت لطف و بلندی خدیو شمس الدین
زهی شفای ستم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

دلم طواف بتبریز می کند محرم
در آن حریم حرم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

زهی خوشی که بگویم که کیست هان بر در
بگوید او که منم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

چو آفتاب بر آمد ز قعر آب سیاه
ز ذره ذره شنو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

چه جای ذره که چون آفتاب جان آمد
ز آفتاب ربودند خود قبا و کلاه

ز آب و گل چو بر آمد مه دل آدم وار
صد آفتاب چو یوسف فرو شود در چاه

سری ز خاک بر آور که کم ز موری ای
خبر ببر بر موران ز دشت و خرمنگاه

ازآن بدانهٔ پوسیده مور قانع شد
که او ز سنبل سرسبز ما نبود آگاه
بگو بمور بهاست ودست وپا داری
چرا ز گور نسازی بسوی صحرا راه
چه جای مور سلیمان دریده جامهٔ شوق
مرا نگیر خدا زین مثالهای تباه
ولی بقدر خریدار می برند قبا
اگرچه جامه درازست هست قد کوتاه
بیار قد درازی که تا فرو بریم
قبا که پیش درازست بسکلد زه ماه
خموش کردم ازین پس که از خموشی من
جدا شود حق وباطل چنانک دانه ز کاه

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ
الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا
بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ
الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ قف

ترجمہ: یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں راستباز ہیں، فرمانبردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں اللہ نے خود شہادت دی ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور یہی شہادت فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پہ قائم ہے۔ اُس زبردست حکم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام ہے"

قرآن مجید میں الفقراء کا مکمل تصور اس آیت مبارکہ موجود ہے۔ ایسے لوگ جو پوری استقامت دکھانے والے ہیں کسی نقصان یا مصبیت سے ہمت نہیں ہارتے کسی ناکامی سے دل شکستہ نہیں ہوتے کسی لالچ میں نہیں آتے ایسی حالت میں بھی حق کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رہتے ہیں جبکہ بظاہر اُن کی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہ آتا ہو۔ اللہ جو کائنات کے تمام حقیقتوں کا براہ راست علم رکھتا ہے جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے جس کی نگاہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں یہ

اُس کی شہادت ہے اور اس سے بڑھ کر معتبر عین شہادت اور کس کی ہوگی کہ پورے عالم وجود میں اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو خدائی صفات سے متصف ہو خدا کے اقتدار کی مالک ہو اور خدا کے حقوق کی مستحق ہو۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ کے بعد سب سے زیادہ معتبر شہادت فرشتوں کی ہے کیونکہ وہ سلطنت کائنات کے انتظامی اہل کار ہیں وہ براہ راست اپنے ذاتی علم کی بنا پر شہادت دے رہے ہیں کہ سلطنت میں اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا اور اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جس کی طرف زمین و آسمان کے انتظامی معاملات میں وہ رجوع کرتے ہوں۔ اس کے بعد مخلوقات میں سے جن لوگوں کو بھی حقائق کا تھوڑا یا بہت علم حاصل ہوا ہے ان سب کی ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ متعلقہ شہادت رہی ہے کہ ایک ہی خدا اس پوری کائنات کا مالک و مدبّر ہے۔ اُس کے مومن بندے وہ ہیں جو اس پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور اُس کے ہر حکم پر راضی ہیں۔ اسلام میں الفقراء کی مکمل تشریح اس آیت مبارکہ میں پیش کی گئی ہے علم تصوف میں سب سے اہم رتبہ قلندر کا ہوتا ہے ہمارے معاشرے میں خود ساختہ صوفیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ قلندر مست ہوتا ہے۔ قلندر قطب اور فقیر کوئی ما فوق الفطرت چیز نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے زمانے کے قابل ترین روشن خیال صاحب عارف لوگ تھے مختلف علوم پر عبور رکھتے تھے اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا فی اللہ ہو گئے تھے۔

صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اور ان لوگوں کی پوری زندگیاں معاشرے کی اصلاح میں صرف ہو گئیں ان کا مشن صرف یہ تھا کہ معاشرے کو غلط اور غیر اسلامی رسوم رواج سے پاک کیا جائے اُس کی صحیح اخلاقی تربیت کی جائے اور تعلیم کو عام کیا جائے۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے ظالم و جابر باشاہوں سرمایہ داروں کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کیا خاص طور پر اُس زمانے کے مولویوں نے ان کے خلاف فتوے صادر کیئے اور موت کی سزائیں دیں۔ جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ مثلاً ذوالنون مصری رح ، علاج المنصور رح ، جنید بغدادی رح وغیرہ علامہ اقبال رح نے مرد قلندر اور الفقراء کو اپنے کلام میں بہت اہمیت دی ہے اور ان حضرات کو علامہ نے اپنے کلام میں معاشرتی کردار کا اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفّتِ قلب و نگاہ

علم فقیہہ و حکیم، فقر مسیح ؑ و کلیم ؑ
علم ہے جویائے راہ ، فقر ہے دانائے راہ

فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر
فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ
علم کا موجود، اور، فقر کا موجود، اور
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

مولانا روم رح اوصاف قلندری کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

سیمرغ و کیمیا و مقامِ قلندری
وصفِ قلندر ست و قلندر ازو بری
گوئی قلندرم من و این دل پذیر نیست
زیرا کہ آفریدہ نباشد قلندری

دام و دم قلندر بیچون بود مقیم
خالیست از کفایت و معنی داوری

از خود بخود چه جوئی چون سر بسر توی
چون آب در سبوئی کلی ز کل پری

از خود بخود سفر کن در راه عاشقی
وین قصه مختصر کن اید وست یکسری

نی بیم و نی امید نه طاعت نه معصیت
نی بنده نی خدای نه وصف مجاوری

عجز ست و قدرتست و خدائی و بندگی
بیرون ز جمله آمد این ره بچه بنگری

راه قلندری ز خدائی برون بود
در بندگی نیاید و نه در پیمبری !

زینهار تا نلافد هر عاشق از گزاف
کس را نشد مسلم این راه وره بری

علامہ فرماتے ہیں کہ

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جوانمرد
جاتا ہے جدھر مردِ حق تو بھی اُدھر جا
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

"مرکزِ عشق"

آدمی کام کا نہیں رہتا
عشق میں یہ بڑی خرابی ہے۔
لن ترانی بھی طور سوزی بھی
پردے پردے میں بے حجابی ہے
پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال
یہ گنہ گار بوترابی ہے!

عالم اسلام میں فکرِ معاویہ کے اثرات آج بھی موجود ہیں مگر یہ اہل طریقت کا کارنامہ ہے کے انہوں نے ان تھک کوششوں سے کافی حد تک ایسے اثرات کو ہمیشہ زائل کر دیا اور ان نظریات کی پرزور مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وسیلہ معرفت اور مرکزِ عشق اہل بیت علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ اسی

بیسے یہ بعد پندرہ سو سال سے محکم ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام اہل طریقت قافلہ کے سالار اور اولیائے اکرام کا آخری مرکز ہیں اور ولایت کے تمام سلسلے اس آفتاب حقیقی کی شعاعوں کا مظہر ہیں۔ کیوں کہ آپ خاتم ولایت ہیں۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اہل طریقت پر آج کے دور میں مختلف اکادمیوں میں تحقیق کا کام جاری ہے۔ اور ہمارے سامنے وقفہ وقفہ" مختلف کتابیں صوفیائے اکرام کے حوالے سے آرہی ہیں۔ مگر طریقت کا بنیادی اور اہم موضوع جیسے علامہ اقبال رح نے اپنے کلام کی بنیاد بنایا اور علامہ رح کے تمام نظریات کا مرکز بھی یہی رہا۔

اسے ہمارے دانشور آج تک جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔ مولانا روم رح کے طالب علم اس بات سے باخوبی آگاہ ہیں کہ مولانا رح کی مثنوی، غزلیات، قصائد اور منقبت کا پچھتر فیصد حصہ حضرت علی علیہ السّلام کے فضائل سے جگمگا رہا ہے۔

علامہ اقبال رح کے کلام میں نوے فیصد اشعار جو عشق سے متعلق ہیں اُن کا مرکز بھی حضرت علی علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے۔ بحر حال فضائل اہل بیت علیہ السلام سمندر کی مانند میں مجھ جیسا گنہ گار اس بحر بیکراں کا احاطہ کس طرح کر سکتا ہے۔ فلسفہ قرآن کے حوالے سے ہم کچھ فضائل کا مختصر سا جائزہ لے گے۔ اور ہم نے اپنی کتاب میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ فہم القرانی کے حوالے سے ایسی تفاسیر کا

حوالہ دیا جائے جو متنازع حیثیت نہیں رکھتی ہوں اور سوادِ اعظم اُن کا احترام کرنے پر مجبور ہوں جیسے امام رازی رح تفسیر کبیر امام طبری جامع البیان اور علامہ جلال الدین سیوطی رح کی فہم القرآنی سے متعلق مختلف کتابیں وغیرہ۔

لیکن اس کا فیصلہ باشعور طبقے کو کرنا ہے کہ یہ خیالات آیا رافضیت کو عام کر رہے ہیں یا علم روحانیت کی تشریح کر رہے ہیں۔

امام شافعی رح کے مشہور اشعار جن کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رح معارف قرآن میں فرماتے ہیں۔ کہ درحقیقت یہی جمہور اُمت کا مسلک و مذہب ہے

یا راکبًا قف بالمحصّب من منیً
واھتف بساکن خیفھا والناھض
سحرًا اذا فاض الحجیج الیٰ منیً
فیضًا کملتطم الفرات الفائض
إن کان رفضًا حبُّ اٰلِ محمّدٍ
فلیشھد الثقلان انّی رافضی

یعنی اے شہ سوار، منیٰ کی وادیٔ محصّب کے قریب رُک جاؤ، اور جب صبح کے وقت عازمین حج کا سیلاب ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح منیٰ کی طرف روانہ ہو تو اس علاقے کے ہر باشندے اور ہر راہرو سے پکار کر یہ کہہ دو کہ اگر صرف آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت ہی کا نام رفض ہے تو اس کائنات کے تمام جنّات و انسان گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں۔

امام شافعی رح

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ

ترجمہ: وہ چیز جس کی خوشخبری اللہ اپنے اُن بندوں کو دیتا ہے جنہوں نے مان لیا اور نیک عمل کیے۔ اے نبیؐ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں البتہ قرابت (اہلبیت) کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔

اس محکم آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحؒ اپنی تفسیر معارف القران میں فرماتے ہیں۔

(۱) "آل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی، ایسا خیال کوئی بد بخت گمراہ ہی کر سکتا ہے۔ حقیقت مسئلہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا ساری کائنات سے زاہد ہونا جزا ایمان بلکہ مدار ایمان ہے۔ حبّ اہل بیت و آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا باجماع و اتفاق اُن کی

---

(۱) معارف القران جلد ۷ مولانا مفتی محمد شفیع

محبت و عظمت لازم ہے"

سورہ احزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی ﷺ سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رح نے اتقان فی العلوم القرآن میں اس آیت مبارکہ کی بہت عالمانہ تشریح کی ہے۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت علیہ السلام کو مرکز تطہیر بنا دیا۔ اور اگر کوئی مومن تزکیہ و تطہیر کی منزل طے کرنا چاہتا ہے اُن کے وسیلہ کے بغیر ناممکن ہے۔ سورۃ توبہ فلسفہ تطہیر و تزکیہ کو امت مسلمہ پر مکمل طور پر واضح کر دیا گیا۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۳﴾

امام طبری رح جامع البیان میں ایت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یقولہ (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس) فاستعار للذنوب الرجس وللتقوی الطھر وانما أکد ازالۃ

الرجس بالتطهير لان الرجس قد يزول ولم يطهر المحل بعد و ر أهل البيت › نصب على النداء أو على المدح وقد مر في آية المباهلة أنهم أهل العباء النبي صلى الله عليه وسلم لانه أصل وفاطمة رضى الله عنها والحسن والحسين رضى الله عنهما بالاتفاق والصحيح أن عليا رضى الله عنه منهم لمعاشرته بنت النبي صلى الله عليه وسلم وملازمته اياه وورود الآية في شان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم يغلب على الظن دخولهن فيهن والتذكير للتغليب فان الرجال وهم النبي وعلى وأبناؤهم غلبوا على فاطمة وحدها أو مع أمهات المؤمنين ثم أكد التكاليف المذكورة بأن بيوتهن مهابط الوحي ومنازل الحكم والشرائع الصادرة من مشرع النبوة ومعدن۔

آیت مباہلہ عالم اسلام کے بڑے اہم واقعہ کی طرف نشان دہی کرتی ہیں۔

جس کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل میں فریقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر اُن کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: یہ علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کہو کہ او ہم اور تم خود بھی آجائیں اور اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔

جب یہ آیت مباھلہ نازل ہوئی تو اس پر آپؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی اور خود بھی حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے تیار ہو کر تشریف لائے۔ نصاریٰ کے آدمی شرجیل نے یہ دیکھ کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کا نبی ہے نبی سے مباھلہ کرنے سے ہماری ہلاکت ہے بربادی یقینی ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

ترجمہ: پھر بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا۔ اس کے بعد ایک گواہ بھی پروردگار کی طرف سے (اس شہادت کی تائید میں) آگیا اور پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کے طور پر آئی ہوئی بھی موجود تھی (کیا وہ بھی

دنیا پرستوں کی طرح اس سے انکار کرسکتا ہے؟) ایسے لوگ تو اس پر ایمان ہی لائیں گے ۔

علامہ جلال الدین السیوطی اتقان فی العلوم القران میں فرماتے ہیں کہ " اس آیت مبارکہ میں شاھد سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور اس طرح کی واضح آیت مبارکہ کسی اور کی شان میں نہیں اتری وہ قرآن کے سات حروف کے معنوی اور ظاہری علوم کو جاننے والے ہیں ۔ وہ فرماتے تھے کہ میں ام الکتاب کی تفسیر سے ستر اونٹ بھروؤں کیوں کہ آپ ناطق قرآن ہیں "

امام رازی اس آیت مبارکہ کی تشریح بھی انہی الفاظ میں فرماتے ہیں ۔

(فالقول الأول) إن الذی وصفه الله تعالیٰ بأنه علی بینة من ربه هو محمد علیه السلام والبینة هو القرآن، والمراد بقوله (یتلوه) هو التلاوة بمعنی القراءة وعلی هذا التقدیر فذکروا فی تفسیر الشاهد وجوها أحدها: أنه جبریل علیه السلام، والمعنی: عن جبریل علیه السلام یقرأ القرآن علی محمد علیه السلام - وثانیها: أن ذلك الشاهد هو لسان محمد علیه السلام وهو قول الحسن، وروایة عن محمد بن الحنیفة عن علی رضی الله عنهما قال: قلت لأبی أنت التالی قال: وما معنی التالی قلت قوله (ویتلو شاهد منه) قال وددت أنی هو ولکنة لسان رسول الله صلی الله علیه وسلم ولما کان الانسان إنما یقرأ القرآن ویتلوه بلسانه لاجرم جعل اللسان

ثانيا على سبيل المجاز كما يقال: عين باصرة وأذن سامعة ولسان ناطق۔
وثالثها: عن المراد هو علي بن ابي طالب رضي الله عنه، والمعنى أنه
يتلو تلك البينة وقوله (منه) أي هذا الشاهد من محمد وبعض منه
والمراد منه تشريف هذا الشاهد بأنه بعض من محمد عليه السلام
ورابعها: أن لا يكون المراد بقول (ويتلوه) القرآن بل حصول
هذا الشاهد عقيب تلك البينة، وعلى هذا الوجه قالوا إن
المراد: أن صورة النبي عليه السلام ووجهه ومخايله كل ذلك
يشهد بصدقه۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا کہ فضائل اہلبیتؑ ایک بحر بیکراں کی مانند ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضؓ اپنی تفسیر ابن عباس میں فرماتے ہیں کہ ۳۰۰ تین سو محکم آیات مبارکہ حضرت علی علیہ السلام کی شان مبارکہ میں نازل ہوئیں ہیں۔ جس میں سورۃ مائدہ اور سورۃ انسان بڑی اہمیت کی حامل ہیں سورۃ دھر میں جہاں یتیموں اور غریبوں کے رزق کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اور مرکز رزق اہل بیت علیہ السّلام کو ٹھہرایا گیا ہے۔ اس بات سے تمام ائمہ مفسرین متفق ہیں اسی لیے علم طریقت میں رزق مادی و معنوی کا مرکز حضرت علی علیہ السلام ہیں اسی لیے علامہ اقبال اور مولانا روم رحؒ نے آپؑ کو اپنے کلام میں تاجدار ہل آتی سے بار بار مخاطب کیا ہے۔

سورہ فتح کے حوالے سے علامہ اقبال نے فلسفہ عشق کی روشنی میں بہت خوبصورت اشعار کہیں ہیں۔ سورۂ فتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: "اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا۔ اس لیے اُس نے اُن پر سکینت نازل فرمائی اُن کو انعام قریبی فتح بخشی"۔

یہ آیت مبارکہ فتح خیبر سے متعلق ہیں۔ کہ ہم ایک نفس مطمئنہ بھیجیں گے اور خیبر فتح ہو گا۔ اقبال نے اس نفس مطمئنہ کو عشق کہا ہے فرماتے ہیں۔

کبھی تنہائی کوہ دمن عشق
کبھی سوز سرور انجمن عشق

کبھی سرمایہ محراب منبر
کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ کہ عشق آداب خود آگاہی کا باعث ہے مگر بوئے اسرار الٰہی ضروری ہے لازم ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عطّار ہو، رومیؔ ہو، رازیؔ ہو، غزالیؔ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھّی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی!

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اَولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسد اللّٰہی

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مولانا روم فرماتے ہیں کہ۔

(۱) از علیؓ آموز اخلاص عمل
شیر حق را داں منزّہ از دغل

---

(۱) دفتر اوّل جلد چہارم مثنوی مولائے روم رح

اُو خدو انداخت بر روئے علیؑ

افتخار ہر نبی و ہر ولی

باز باش باب رحمت تا اَبَد

بارگاہ ما لہ کفواً احَد

(ب) گر ترا اگو ید از مستی ابو الحسنؑ

یا صغر است یا رطب البدن

پس بگفت نو مسلمان ولی

از سر مستی و لذت یا علیؑ

مولوی معنوی فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عمل اخلاص سیکھو اس شیر خداؑ کو نفسانی اغراض کھوٹ سے پاک سمجھو۔ پھر ایک واقعہ مثنوی میں لکھتے ہیں کہ ایک کافر نے آپؑ کے منہ پر نعوذ باللہ تھوک دیا۔ مولانا روم رح فرماتے ہیں کس علیؑ پر یہ کیا افتخار ہر نبیؑ و ہر ولی۔

اے علیؑ آپ صرف باب علم ہی نہیں بلکہ باب رحمت ہیں کہ دروازہ کھلا اور کفواً احَد کا جلوہ نظر آیا ہے۔ اے خدا تو اپنی بے نیازی میں اتنا مست ہوگیا مجھے ابو الحسنؑ میں نظر آنے لگا۔

ا: دفتر اوّل جلد چہارم — مثنوی مولانا روم رح

ب: دفتر روم جلد اوّل — مثنوی مولانا روم رح

یعنی مولانا روم رح حقیقت کو مجاز کے پردے میں دیکھ رہے ہیں۔
فرماتے ہیں کہ میں عشق و مستی میں اس قدر ڈوب گیا کے میرے دل
سے صدا یا علیؑ نکلنے لگی۔ ایک اور جگہ غزل میں مولانا حضرت علی
علیہ السلام کو ذریعہ عاقبت قرار دیتے ہیں۔

(۱) عاقبت بینی مکن تا عاقبت بینی شوی
تا چو شیر حق باشی در شجاعت لا فتی

تا ببینی ہستیت چون از عدم سر برزند
روح مطلق کا مکار و شہ سوار اہل اتی

جملہ عشق و جملہ لطف و جملہ قدرت جملہ دید
گشتہ در ہستی شہید و در عدم او مرتضی

در شرح اسمائے علیؑ جو علامہ اقبال رح نے اسرار رموز میں لکھی
اور مولانا روم کی ایک غزل ان دونوں کے مطالعہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ
علامہ رح کس طرح مولانا روم رح کی فکر سے مکمل طور پر متاثر تھے۔
اس طویل نظم اور غزل کے کچھ اشعار اور اُن کی تشریح مندرجہ
ذیل ہے۔

در شرح

اسرارِ اسمائے علی مرتضیٰ

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؑ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

از ولائے دودمانش زندہ ام
در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام

نرگسم وارفتۂ نظّارہ ام
در خیابانش چو بو آوارہ ام

زمزم ار جوشد ز خاکِ من ازوست
مے اگر ریزد ز تاکِ من ازوست

خاکم و از مہر او آئینہ ام
می تواں دیدن نوا در سینہ ام

از رخِ او فال پیغمبرؐ گرفت
ملّتِ حق از شکوہش فر گرفت

قوّتِ دینِ مبین فرمودہ اش
کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

مرسلِ حق کرد نامش بوتراب
حق یداللہ خواند در اُمّ الکتاب

ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست
سرِّ اسمائے علیؓ داند کہ چیست

از خود آگاہی یداللّٰہی کند
از یداللّٰہی شہنشاہی کند

ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

مولانا رومؒ کلیات شمس تبریزی
علامہ اقبال ۔ اسرار خودی

حکمراں باید شدن بر خاکِ خویش

تا مے روشن خوری از تاکِ خویش

خاک گشتن مذہب پروانگی است

خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن

تا شوی بنیادِ دیوارِ چمن

از رموزِ زندگی آگاہ شو

ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند

گر نہ بینی راہِ حق بر من بخند

کلیات شمس تبریزی میں مولانا روم رح فرماتے ہیں ۔

آں نور چشم انبیا احمد کہ بد بدر دجا

میگفت در قرب دنی اللہ مولانا علیؑ

قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغض علی

ہر سہ شدند از دین بری اللہ مولانا علیؑ

گر مقتدای جاہلی کردست در دین جاہلی

تو مقتدای کاملی اللہ مولانا علیؑ

شاہم علی مرتضی بعدش حسن نجم سما

خوانم حسین کربلا اللہ مولانا علیؑ

آن آدم آل عبا دانم علی زین العباد

ہم باقر و صادق بگو اللہ مولانا علیؑ

موسی کاظم ہفتمیں باشد امام و رہنما

گوید علی موسی الرضا اللہ مولانا علیؑ

سوی تقی آی و نقی در مہر او عہدی بخوان

با عسکری رازی بگو اللہ مولانا علیؑ

مہدی سوار آخریں بر خصم بگشاید کمین

خارج رود زیر زمین اللہ مولانا علیؑ

تخم خوارج در جہان ناچیز و ناپیدا شود

آن شاہ چون پیدا شود اللہ مولانا علیؑ

دیو و پری و اهرمن اولاد آدم مرد و زن
دارند این سر در دهن اللہ مولانا علیؑ

اقرار کن اظہار کن مولای رومی این سخن
ہر لحظہ سر من لدن اللہ مولانا علیؑ

ای شمس تبریزی بیا بر ما مکن جور و جفا
رخ را بمولانا نما اللہ مولانا علیؑ

ای رہنمای مومنان اللہ مولانا علیؑ
ای سرپوش غیب دان اللہ مولانا علیؑ

تو چشم و جان را امید ہی کون و مکان را امید ہی
چشم و عیان را امید ہی اللہ مولانا علیؑ

دانندۂ راز ہمہ انجام و آغاز ہمہ
ای قدر و اعزاز ہمہ اللہ مولانا علیؑ

ہم ہی و ہم باقی توئی ہم کوثر و ساقی توئی
قسام و رزاقی توئی اللہ مولانا علیؑ

ما جملہ سرگردان تو ہم والہ و حیران تو

گوئیدۂ بر حال تو اللہ مولانا علیؑ

وحش و طیور و انس و جان جملہ بفرمانت رواں

داری تو فضل بیکران اللہ مولانا علیؑ

بردار از جانم محن مارا بدہ فیض سخن

از تست کامم در دھن اللہ مولانا علیؑ

تو حاکم ہفت اختری ہم سالکان را رہبری

ہم مومنان را غمخوری اللہ مولانا علیؑ

احسان ز تو ارکان ز تو برھان ز تو ایدان ز تو

ہم روح و ہم ریحان ز تو اللہ مولانا علیؑ

ہم انبیا گویا ز تو ہم اولیا دانا ز تو

ہم عارفان شیدا نہ تو اللہ مولانا علیؑ

قیومی و ہم اکرمی سلطانی و ہم اعظمی

بر جملہ عالم عالمی اللہ مولانا علیؑ

محبت ہے یہی محبت میری زندگی کا سرمایہ ہے اور اس کی برکت سے میں دنیا میں گوہر کی طرح چمک رہا ہوں اسی لیے جو شخص زندگی کے بھید جانتا ہے۔ اُسے علم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے لقب اور ناموں میں کیا اسرار ہیں۔ علامہ آخر میں فرماتے ہیں زندگی کے اسرار سے واقیفت حاصل کرو اے عقلمند اپنی آنکھ کان اور لب کھول ان سے صحیح کام لے اللہ تعالیٰ نے ان میں جو صلاحیتیں رکھی ہیں اُن سے فائدہ اُٹھا اُس کے باوجود تجھ پر سچائی کا راستہ آشکارا نہ ہو تو میری اس نصیحت کا مذاق اڑا دینا کیوں کہ اسمائے اسرار علی جو علم ہے اس کو دنیا میں پہچاننے کے لیے گفتار کی ضرورت ہے جو لب کشائی پر موقوف ہے یہی راہ حق ہے۔ مولانا روم اپنی غزل میں بھی اسی قسم کا اظہار فرمائے ہیں ائمہ معصومین ؑ کی تعریف فرماتے ہیں. اور حضرت علی علیہ السلام کو عارف بندوں کا مرکز اور رزق معنوی اور آب کوثر دینے والا بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ اے علی ؑ آپ تو اسرار ورکن نکو رمیان مامور ہیں۔ آپ لوح و قلم کے پیدا کرنے کا باعث بنے میر عرب اور فخر عجم ہیں۔ اور مقصود کل کائنات ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ

نجف میرا مدینہ مدینہ ہے میرا کعبہ!

میں بندہ اور کا ہوں اُمتِ شاہ ولایت ہوں

علامہ اقبال حضرت علی علیہ السلام سے والہانہ عشق فرماتے تھے اس لیے ہر صبح نماز فجر کے بعد با اظہار عقیدت یہ نظم پڑھتے تھے جس کے چند اشعار اور اُن کی تشریح مندرجہ ذیل ہے۔

رزاق رزق بندگان مطلوب جملہ طالباں

ماموراِ امرکن فکان اللہ مولانا علی

سلطان بے مثل ونظیر پروردگار بی وزیر

دارندۂ برنا و پیر اللہ مولانا علی

دارندۂ لوح وقلم پیدا کن خلق از عدم

میر عرب فخر عجم اللہ مولانا علی

سردفتر ہر انجمن علامہ مصر و یمن

آن پر دل دشمن فکن اللہ مولانا علی

مجموع قرآن مدحتش حمد وثنا و عزتش

نام بزرگی خدمتیں اللہ مولانا علی

ہم مومناں ومومنات وحش وطیور وہم نبات

مقصود کل کائنات اللہ مولانا علی

علامہ اقبال در شرح اسمائے علی میں فرماتے ہیں حضرت علی علیہ السلام پہلے مسلمان تھے مردان حق کے سردار اور عشق کے مرکز آپ کی ذات سرمایہ ایمان ہے۔ مجھے اُن کے خاندان سے

سپاس جناب امیرؑ

اے باب مدینۂ محبّت
اے نوح سفینۂ محبت

اے ماحیِ نقشِ باطل من
اے فاتحِ خیبر دل من

اے سر خط وجوب و امکان
تفسیر تو سورہ ہائے قرآن

اے مذہب عشق را نمازے
اے سینۂ تو امین رازے

اے سیر نبوت محمدؐ
اے وصف تو مدحت محمدؐ

جانم بغلامی تو خوشتر
سر بر زدہ ام زجیب قنبرؓ

ہشیار و مست بادۂ تو ؟
چوں سایہ زپا فتادہ تو ؟

از ہوش شدم مگر بہوشم
گوئی کہ نصیری خموشم

---

(۱) باقیات اقبال بحوالہ مخزن

دانم کہ ادب بضبط راز است

در پردۂ خامشی نیاز است

اما چہ کنم مے تولا

تُند است بروں فتد زمینہا

زاندیشہ عاقبت رہیدم

جنس غم آل تو خریدم

نظم میں فرماتے ہیں۔ کہ اے مولا علیؑ آپ باب مدینہ ہیں۔ خیبر کی طرح آپ قلوب انسانی کو فتح کرنے والے ہیں۔ آپ ناطق قرآن ہیں اور مذہب عشق کے سالار ہیں۔ خاموش رہو۔ میں عشق علیؑ میں بے ہوش چکا ہوں اور سے میں تو نصیری بن گیا ہوں۔ تولا کی شراب سے اُلٹی آرہی ہے۔ بہت پی لی ہے۔ اے علی علیہ السلام میں نے آپ کی آل علیہ السلام کا غم لے کر میں نے عاقبت خرید لی کیوں کہ یہ غم وگمہ یہی ذریعہ عاقبت اور عبادت اعلیٰ ہے مولانا رومؒ عشق علی علیہ السلام میں مست ہو کر حضرت علی علیہ السلام سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں کہ مولا علیؑ تو میرے قلب میں موجود ہیں اور میں اُن کے عشق میں مست ہو چکا ہوں۔

بیا بیا دلدار من دلدار من درآ درآ درکار من در کار من
توی توی گلزار من گلزار من بگو بگو اسرار من اسرار من

بیا بیا درویش من درویش من مرو مرو از پیش من از پیش من
تو توی هم کیش من هم کیش من توی توی هم خویش من هم خویش من

هر جا روم با من روی هر منزلی محرم شوی محرم شوی
روز و شبم مونس توی مونس توی دام مرا خوش آهوی خوش آهوی

ای شمع من بس روشنی بس روشنی در خانه ام چون روزنی چون روزنی
تیر بلا چون در رسد چون در رسد چون در رسد هم اسپری هم جوشنی هم جوشنی

صبر مرا بر هم زدی بر هم زدی عقل مرا ره زن شدی ره زن شدی
دل را کجا پنهان کنم پنهان کنم در دلبری تو بی حدی تو بی حدی

ای فخر من سلطان من سلطان من فرمان ده خاقان من خاقان من
چون سوی من میلی کنی میلی کنی روشن شود چشمان من چشمان من

هر جا توی جنت بود جنت بود هر جا روی رحمت بود رحمت بود
چون سا بها در جا شتگه در جا شتگه فتح و ظفر پشت بود پشت بود

مولانا رومؒ کلیات شمس تبریزی

مولانا رومؒ اور علامہ کے کلام کا مختصر جائزہ لینے سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو چکی ہے اہل طریقت نے جب بھی عشق حقیقی کی طرف قدم بڑھایا تو وہاں وسیلہ علی علیہ السّلام لازم ہو گیا۔ اور اسی لیے اہل طریقت حضرت علی علیہ السّلام کے عشق میں ڈوب گئے۔ تاریخ شاھد ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خم غدیر پر حضرت علی کو بادشاہ یا خلیفہ کے کہہ کر تاریخ نہیں بنایا بلکہ "جس کا میں مولا ہوں اُس کا یہ علی مولا ہے" کہہ کہ حضرت علیؑ کو مستقبل بنا دیا۔ اسی لیے تمام صوفیائے اکرام خواہ وہ حافظ و عطار شاہ نعمت اللہ ولی ہوں یا داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، خواجہ گیسودرازؒ ہوں سب کا مرکز عشق صرف آپ کی ذات مبارکہ ہے۔ مضمون کے آخر میں کچھ صوفیاں اکرام کے اشعار نقل کئے گئے ہیں تاکہ مضمون کی مکمل طور پر وضاحت ہو جائے۔ آخر میں ممتاز دانشور جناب رئیس امروہوی صاحب کا ایک تحقیقی مضمون جو روزنامہ جنگ میں شائع ہوا اس عنوان کے حوالے سے کافی اہم ہے۔ اس لئے ہم اپنے موضوع کے آخر میں اس مضمون کو نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ

(و) دمبدم دم از ولای مرتضی باید زدن
دست دل در دامن آل عبا باید زدن

لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار
این نفس را از سر صدق و صفا باید زدن

در دو عالم چارده معصوم را باید گزید
پنج نوبت بر در دولت سرا باید زدن

گر بلائی آید از عشق شهید کربلا
عاشقانه آن بلا را مرحبا باید زدن

با تقی و با نقی و عسکری یکرنگ باش
تیغ کین بر خصم مهدی بی ریا باید زدن

هر درختی کو ندارد میوهٔ حب علی
اصل و فرعش چون قلم سرتا بپا باید زدن

(ب) آن امیر المومنین یعنی علی
وان امام المتقین یعنی علی

آفتاب آسمان لافتی
نور رب العالمین یعنی علی

شاه مردان پادشاه ملک و دین
سرور خلد برین یعنی علی

(۲) حضرت لال شہباز قلندرؒ

در پئے مدح شاہ می پویم — جز علی دیگرے نہ می پویم
من علی دانم و علی گویم — چوں نصیری کہ بندۂ اویم
حیدری ام قلندرم مستم — بندۂ مرتضیٰ علی ہستم
چار دہ تن شفیع عصیانم — مہر شان است دین و ایمانم
غیر ازیں چار دہ نہ می دانم — مدح شان روز و شب ہمی خوانم
حیدری ام قلندرم مستم — بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

(۳) فرید الدین عطارؒ

شیر خدا و ابن عم نبی، آنکہ باز یافت — تختی بہ چو دوش خواجہ و تاجی چو ھل اتی (۶)
چون مصطفاش در اسد اللہ مثال داد — طغرای آن مثال کشید ند لا فتا (۷)
این حلقۂ دری کہ دری جست تا بیافت — وان در در مدینۂ علمست یا بہا (۸)
در دلم افتادہ آتش، ساقیا — ساقیا آخر کجائی! ہیں! بیا
ہیں! بیا کز آرزوی روی تو — بر سر آتش بماندم، ساقیا
خویشتن ایثار کن، عطار وار — چند گوئی لا علی و الاولیا

(۴) خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازیؒ

امروز زندہ ام بولائے تو یا علیؑ — فردا بروح پاک اماماں گواہ باش
زکوی مغان رخ مگردان کہ آنجا — فروشند مفتاح مشکل کشائی

(۵) حکیم ابوالقاسم فردوسی رح

مرا غمستہ کردند کان بر سخن | بمہر نبیؐ و علیؑ شد کہن
منم بندۂ اہل بیت نبیؐ | ستائندہ خاکِ پاک وصیؑ
نترسم کہ دارم روشن ولی | بدل مہر جان نبیؐ و علیؑ
باین زادہ ام ہم باین بگذرم | چناں داں کہ خاکِ پئے حیدرم

(۶) عرفی رح

جہاں بگشتم و دردا بہ ہیچ شہر و دیار | نیافتم کہ فروشند بخت در بازار
شہِ سریرِ ولایت علیؑ عالی قدر | محیطِ عالم دانش جہانِ علم و وقار

(۷) شیخ سعدی رح

سعدی اگر عاشقی کُنی و جوانی | عشقِ محمدؐ بس است و آلِ محمدؐ
منم جان شدم مولائے حیدر | امیر المومنین آں شاہِ صفدر

(۸) حضرت سلطان باہو رح

کلمے دی کل تداں پیاسے جد مُرشد کلمہ دسیا ہُو رح
ساری عُمر گُفر دِچ جالی بِن مرشد دے وسیا ہُو رح
شاہ علیؑ شیر اللہ دا انگن وڈھ کلمے کفر نوں سٹیا ہُو رح
دِل صافی تاں ہووے جے کر کلمہ لُوں لُوں رسیا ہُو رح

ایلیا ایلی اِیلا

رئیس امروہوی

ایلیا لفظ سے میرا خاندانی تعلق ہے۔ والد مرحوم علامہ سید شفیق حسن مرحوم بھی اس لفظ یا اسم کے محرم راز تھے اور وہ اس اسم کا ایک نقش نفسیاتی مریضوں کو دیا کرتے تھے نفسیاتی علاج کی صدہا شکلیں اور قسمیں ہیں۔ اس کی ایک شکل نقش اور تعویذ بھی ہیں میرے چھوٹے بھائی کا نام بھی جون ایلیا ہے بچپن سے یہ مصرع بھی ذہن میں گونجتا رہا ہے کہ یا علی یا ابوالحسن یا ایلیا یا بوتراب!۔

ایلیا کے کیا معنی ہیں؟ سینٹ پال چرچ برطانیہ کے مسٹر جے بی گلیڈ ولنے کہتے ہیں کہ نئی اور پرانی عبرانی زبان میں لفظ ایلیا یا ایلی۔ خدا اور اللہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایسے نجات دہندہ کا نام ہے جو کبھی مستقبل میں نمودار ہوگا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا تو آپ کی زبان مبارک سے نکلا ایلی ایلی لما سبقتنی (اے ایلی تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا) ایلی یا ایلا کا لفظ ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ جب کوروکشیتر کے میدان میں کوروں اور پانڈوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہورہی تھی تو شری کرشن جی مہاراجہ نے دعا کی تھی کہ تھے پر میشور سنسار پرم آتما! تجھے اپنی ذات کی قسم اور اس قسم جو آکاش اور دھرتی کے جنم کا کارن ہے

اوراس کی قسم جوتیرے پیارے کاپیارا ہے ۔تیرے پریتم کاپریتم ہے ۔تجھے اس کا واسطہ جوایلی (ELIA)   ہے جوسنسار کے سب سے بڑے مندر میں کالے پتھر کے نزدیک اپنا چمتکار دکھائے گا (کیا یہ اشارہ حجراسود کی طرف ہے) تو میری بنتی سن۔ جھوٹے راکششوں کو نشٹ کر سچوں کو فتح دے ہے پرمیشور ایلا ایلا ایلا!۔ داؤد علیہ اسلام فرماتے ہیں کہ اس کا نام ایلی ہے۔ اس کی طاقت واجب ہے۔ اس کی فرمانبرداری سے سب کام بنتے ہیں وہ کعبے میں پیدا ہونے والا ہے (زبور) جناب سلیمان علیہ السلام کا قول ہے کہ وہ میرا دوست ہزاروں میں یکتا ہے۔ اس کے سر کا نور ہیرے کی طرح چمکتا ہے وہ میرا دوست اور میرا محبوب ہے اے دختران یروشلم! (غزل الغزلات) ۱۹۱۶ء کا ذکر ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران بیت المقدس سے چند میل دور منرہ کے مقام پر فوجی دستے نے ایک ٹیلے سے روشنی نکلتی دیکھی سپاہیوں نے ٹیلے کو کھودا تو ایک نورانی لوح برآمد ہوئی۔ فوجی دستے کے افسر اے این گرینڈل نے لوح کا ترجمہ کرایا۔ اس لوح پر عبرانی حروف میں ایک عبارت کندہ تھی۔ لوح مقدس کے اصل الفاظ اوران کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

JلJJO (اللہ) JعTL (احمد) JمJک (ایلی) ٤JO (یا) J٤J ٤ (ایلی)

٤JO (یا) JعTL (احمد) ٤JO (یا) عJPam (بتول) ٤JO (یا)

عJJauم٤m (حسن) ٤JO (یا) عJauD (حسین)

روسی ماہرین سولے نوف (شعبہ لسانیات ماسکو یونیورسٹی) اور ایم احمد ناظم زنکومن کو وادی قاف سے ایک تختی دستیاب ہوئی تھی اس پر ایک پنجہ نما تعویذ نقش تھا جس پر محمدؐ۔ ایلیا۔ فاطمہ شبیر اور شبیر کے نام کندہ تھے ایف ایف مارکس (مانچسٹر) نے جو قدیم ترین زبانوں کے ماہر ہیں۔ کشتی نوح

کی اس حیرت انگیز لوح کے بارے میں ایک تحقیقی مضمون لکھا تھا۔ ایل کے بھٹناگر ایم اے اپنی کتاب بودھیہ چمتیکار (کانپور) میں لکھتے ہیں کہ مہاتما بدھ نے اپنے چیلوں سے کہا کہ مجھے کسی پرم آتما نے آشیرباد دی ہے کہ تمہاری تپسیا سپھل ہوئی۔ میرا نام آلیا (ALIAH) ہے۔ میرا مکان پوترا ستھان کی پھٹی ہوئی دیوار کے پاس ہے (پوترا ستھان۔ حرم مقدس) تو یہ ہے ایلیا۔ ایلی اور اکیا۔ اسم کا پیس منظر! فلسطین کے مقام منزہ میں ریت کے ٹیلوں سے جو لوح مقدس برآمد ہوئی ہے۔ اس کی عبارت نقل کرچکا ہوں۔ ہزاروں سال سے یہ نقش نفسیاتی معالجے کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ والد مرحوم بھی غالباً یہی نقش ضرورت منداصحاب کو دیا کرتے تھے۔ میں ان تمام معاملات کو نفسیاتی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں۔ جو لوگ ذہنی الجھنوں اور دماغی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کا تخیل بیحد مبالغہ پسند اور ذہن حد درجہ تاثر پذیر ہوتا ہے۔ اس قسم کے پُراسرار نقش اور الواح ان کے ذہن پر شدت سے اثر انداز ہوتی ہیں اور بعض اوقات حیرت انگیز طور پر شفا نصیب ہو جاتی ہے۔

شعور انساں کے کارنامے اگرچہ واضح بھی عام بھی ہیں
مگر جہاں خود شعور گم ہے کچھ ایسے نازک مقام بھی ہیں

در معنی حریت اسلامیه و سرّ حادثۂ کربلا

هر که پیماں با ہو الموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است

عقل سفّاک است و او سفاک تر
پاک تر، چالاک تر، بیباک تر

آں امام عاشقاں پور بتول ؑ
سروِ آزادے ز بستانِ رسول ؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیِ ذِبحٌ عَظِیم آمد پسر

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلین نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی ایں مصرع از مضمون او

درمیان امت آں کیواں جناب
ہمچو حرف قل ھو اللہ در کتاب

موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خون او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملّتِ خوابیدہ را بیدار کرد

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگِ ارباب باطل خوں کشید

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ او رساں

علامہ فرماتے ہیں کہ خدا سے رشتہ استوار کر لینے کے بعد انسان تمام آقاؤں کو ٹھکرا دیتا ہے۔ مومن عشق کے بغیر کچھ بھی نہیں اور عشق حق کے لیے اگر کوئی مقام ہو سکتا ہے تو وہ صرف قلب مومن ہے۔ عشق انسانوں میں ایسی قوتیں بیدار کر دیتا ہے کہ جو عام نگاہوں میں ناممکن ہوتی ہیں وہ بھی امکان کے دائرے میں آ جاتے ہیں۔ عقل بڑی خونریز ہے لیکن عشق اس سے بھی زیادہ خونریز ہے عشق کی تشریح کے بعد علامہ فرماتے ہیں کہ عاشقوں کے امام اور پیشوا حضرت فاطمہ کے فرزند ارجمند حضرت رسول صلعم کے باغ میں سروِ آزاد کی حیثیت حاصل تھی۔

اُن کے والد ماجد حضرت علی علیہ السلام بسم اللہ کے ب تھے اور فرزند یعنی امام حسین قرآن مجید کی آیت ذبحِ عظیم کا مطلب مفہوم تھے۔ عشق غیور امام حسین علیہ السلام ہی کے خون سے سرخرو ہوا امام حسین علیہ السلام کا رُتبہ بلندی میں آسمان کے برابر تھا اُمت کے درمیان اُن کی حیثیت وہی تھی جو سورۂ اخلاص کو قرآن کے درمیان حاصل ہے اور جب خلافت نے قرآن مجید سے تعلق توڑلیا۔ حرّیت کے حق میں زہر ڈال دیا گیا تو یہ حالت دیکھ کر سب سے بہتر اُمّت کا نمایاں ترین جلوہ اُٹھا۔ اے صبا اے دور افتادہ لوگوں کی قاصد ہمارے آنسوؤں کا ہدیہ امام حسین کے مرقد مقدس پہنچا دے۔

اہل طریقت حضرات نے ذکر حسین پر گریہ کو عبادت اعلیٰ قرار دیا ہے جس کا اظہار علامہ اقبالؒ نے سپاس امیرؑ اور حادثہ کربلا میں فرمایا مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

تا چہ کیس دار نر دائم دیو و غول
چوں شمر بزید با آل رسولؐ

بو حنیفہ داد ایں فتوے ترا !
شافعی گفت ست ایں اے ناسزا

آں یکے گفتش کہ تو دیوانہ
تو نہ شیعہ ؟ عدو خانہ

روزِ عاشورا نمی دانی کہ ہست
ماتم جانے کہ از قرنے بہ است

پیشِ مومن کے بود ایں قصہ خوار
قدرِ عشق گوشِ عشقِ گوشوار

پیشِ مومن ماتم آں پاک روح
شہرہ تر باشد صد طوفان نوحؑ

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اے شیطان لوگوں آلِ رسولؐ سے بغض رکھنا اور شمر و یزید کی حمایت کرنا تم نے ابلیس سے سیکھا ہے نہ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تعلیم ہے نہ امام شافعیؒ کی تم لوگ غلط اُن سے منسوب کرتے ہو مولانا معنوی شاعر حلب کو نکتہ بتاتے ہیں ایک شاعر جو حلب کے شہر میں داخل ہوتا ہے اور گریہ حسینؑ کا مذاق اُڑاتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ تم اہلبیتؑ سے عداوت رکھتے ہو۔ کیا تم کو عاشورے کا دن یاد نہیں وہ ایک ایسی بزرگ و بلند روح کے ماتم کا دن ہے جو ہزار عبادتوں سے بھی افضل ہے ایک مخلص مومن کے نزدیک کربلا کا قصّہ کب بے وقعت ہو سکتا ہے۔ تم رسولؐ سے کیا محبّت کرو گے جب تک اُنؐ سے محبّت نہیں کرو گے اور بندۂ مومن کے نزدیک ان پاک روح پر گریہ کرنا سینکڑوں طوفان نوح سے بھی افضل ہے قرآن شریف میں ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ نیک لوگوں کے لئے زمین آسمان گریہ کرتے ہیں اور جو نیک نہیں ہوتے اُن کے لئے زمین و آسمان گریہ نہیں کرتے ۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝۲۹

ترجمہ :- نہ آسمان اُن پر رویا اور نہ زمین اور ذرا سی مہلت بھی اُن کو نہ دی گئی۔
شیخ عبدالقادر جیلانی رح اپنی کتاب "غنیتہ الطالبین" میں فرماتے ہیں کہ روز ستر ہزار فرشتے روضہ حسینؑ پر گریہ کرتے ہیں اور عالم ملکوت روتا ہے۔

در معنیٔ اینکہ سیّدۃ النسا فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست

برائے نساء اسلام

مریمؑ از یک نسبتِ عیسٰیؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

نورِ چشمِ رحمتہ للعالمینؐ
آں امامِ اوّلین و آخرین

آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید
روزگارِ تازہ آئیں آفرید

بانوے آں تاجدارِ ھَل اَتیٰ
مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا

پادشاہ و کلبۂ ایوانِ او
یک حسام و یک زرہ سامانِ او

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم!

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں
پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں

واں دگر مولائے ابرارِ جہاں
قوّتِ بازوے احرارِ جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہلِ حق حرّیت آموز از حسینؓ

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰؐ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

علامہ اقبالؒ حضرت فاطمہ زہراؑ سے عقیدت طور پر فرماتے ہیں حضرت مریمؑ سے اضافی عزیزداری کی صرف ایک نسبت ہے یعنی آپ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ تھیں حضرت فاطمہؑ سے ایسی تین نسبتیں ہیں پہلی نسبت آپ حضرت رحمۃ العالمین کی نورِ نظر ہیں جو امام انبیاء ہیں دوسری نسبت حضرت فاطمہؑ ہل اتیٰ تاج دار کی حرم تھی یعنی جو اللہ کے شیر اور مشکل کشا ہیں ۔
تیسری نسبت یہ کہ آپ اُن دو جلیل القدر بزرگوں کی والدہ تھیں جن میں سے ایک عشقِ حق کی پرکار کے مرکز بنے اور دُوسرے عشقِ حق کے قافلہ کے سالار بنے اور پھر بیٹوں کی سیرتیں تو ماؤں کی آغوش میں تیار ہوتی ہیں انسانی فطرت میں سچائی اور پاکیزگی کے جو جوہر ہیں وہ ماؤں ہی کی تربیت سے چمکتے ہیں تسلیم کی کھیتی کا حاصل حضرت فاطمہؑ تھیں آپ مسلمان ماؤں کے لئے اسوۂ کامل بن گئیں ۔ علامہ اقبالؒ آخر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی ڈوری نے میرے پاؤں باندھ رکھی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا پاس مجھے روکتا ہے ورنہ میں حضرت فاطمہؑ کے مزار کا طواف کرتا اور اس مقام پر سجدہ کرتا ۔

دراصل عشقِ حقیقی کا صحیح اور اعلیٰ مرکز اہلبیتؑ ہیں ۔ زمانے کے قدامت پسند مولویوں نے فضائل اہلبیتؑ کو مسخ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور

دُوسری طرف شیعہ مولویوں نے اپنے سیاسی اغراض ومقاصد کے لئے فضائل اہلبیت کو استعمال کیا اور پیشہ بنایا لیکن یہ اہل طریقت ہی تھے جنہوں نے صحیح طور پر عشق اہلبیت ع کو سمجھا اور جو اُس کے رموز اسرار سے مکمل طور پر واقف تھے۔ علامہ اقبال رح نے کبھی بھی نہ شیعہ مسلک اور نہ سُنّی مسلک کو دُرست سمجھا بلکہ اُن کی فکر نے ہمیشہ اتحاد عالم اسلامی کے لئے کام کیا وہ فکر جو محمد آلِ محمد کے عشق میں ڈوبی ہوئی تھی جو معاشرے میں صحیح اسلامی اصولوں کو نافذ کرنا چاہتی تھی۔ حضرت داتا گنج بخش کشف المحجوب میں فضائل اہلبیت بڑے عالمانہ انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

باب در ذکر ائمہ طریقت از اہلِ بیت اطہار علیہ السلام

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن کی طہارت ازل میں مخصوص ہے ان میں سے ہر ایک طریقت میں مکمل تھا۔ ہر عام وخاص مشائخ وصوفیا کے یہ امام رہے ہیں۔ اَب میں ان میں سے چند افراد کا انشاء اللہ تعالیٰ مختصر سا تذکرہ کرتا ہوں۔

یعنی ان ائمہ اہل بیت اطہار میں سے، جگر بند مصطفٰے ریحان دل مرتضٰے ؑ قرۃ العین زہرا ابو محمد الحسن بن علی علیہ السلام ہیں۔ طریقت میں آپ کی نظر کامل اور تعبیرات طریقت کے حقائق میں دسترس اعلیٰ درجے کی تھی یہاں تک کہ آپ نے اپنی وصیت کے وقت فرمایا:۔

علیکم بحفظ السرائر فان اللہ تعالیٰ مطلع الضمائر۔ یعنی تم اسرار ربانی کی حفاظت میں محکم رہنا کیونکہ اللہ تعالے دلوں کے بھیدوں پر خبردار ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اسرار کی حفاظت میں ایسا ہی مخاطب ہے جس طرح

اضمار یعنی دلوں کے بھیدوں کو دوسروں کو چھپاتا ہے۔ پس حفظِ اسرار یہ ہے کہ غیروں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور حفظِ اضمار یہ ہے کہ اس کے اظہار میں مخالفت حیا لاحق ہوتی ہے۔

منقول ہے کہ قدریوں نے جب غلبہ پکڑا اور مذہب اعتزال جہان میں پھیلا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن بن علی مرتضیٰ کی خدمت میں ایک خط بدیں مضمون لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ السلام علیك یا ابن رسول اللہ وقرۃ عینہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امّا بعد فانکم معاشر بنی هاشم کالفلك الجاریۃ فی بحر لجی ومصابیح الدجیٰ واعلام الهدیٰ والائمۃ القادۃ الذین من تبعهم نجیٰ کسفینۃ نوح المشحونۃ التی یؤل الیها المؤمنون وینجو فیها المتمسکون فما قولك یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند حیرتنا فی القدر واختلافنا فی الاستطاعۃ لتعلمنا بما تأکد علیہ رایك فانکم ذریۃ بعضها من بعض بعلم اللہ علمتهم وهو الشاهد علیکم وانتم شهداء اللہ علی الناس والسلام۔

یعنی اے ابنِ رسول! ان کی چشمہائے مبارکہ کی ٹھنڈک، آپ پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت وبرکت ہو۔ آپ تمام بنی ہاشم میں مانند اس کشتی کے ہیں جو گہرے اور اندھیرے میں جارہی ہو اور آپ ہدایت کے روشن ستارے اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں اور آپ ہی ان سرکردہ ائمہ دین میں سے ہیں۔ جس نے آپ کی پیروی کی نجات پائی۔ آپ کشتی نوح کی مانند ہیں کہ جس مسلمان نے اس میں پناہ لی وہ نجات پاگیا۔ اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کیا ارشاد ہے جو قدریوں

کے بارے میں ہمیں پریشانی لاحق ہے اور ان سے اپنی استطاعت کے مطابق ان سے اختلاف کیا ہے۔ آپ ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے بتایئے کہ آپ کی اس میں کیا روش ہے۔ کیونکہ آپ تو اولادِ رسول ہیں۔ آپ ہمیں اپنے علم سے ہرگز فراموش نہ فرمائیں گے۔ جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو علم خصوصی مرحمت فرمایا ہے وہی آپ کا محافظ و نگہدار ہے اور آپ ہم سب گوں پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظ و پاسبان ہیں۔ والسّلام

جب یہ مکتوب آپ کی خدمت میں موصول ہوا تو آپ نے بدیں مضمون جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امّا بعد انتہی الی کتابک عند حیرتک وحیرۃ من زعمت من امتنا والذی علیہ رأئی ان من لم یؤمن بالقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ فقد کفر ومن حمل المعاصی علی اللہ فقد فجر ان اللہ لایطاع باکراہ ولایعصی بغلبۃ ولا یھمل العباد فی ملکہٖ لکنہ المالک لما یملکھم والقادر علی ما علیہ قدرھم فان أیتمر وا بالطاعۃ لم یکن لھم اختیار ولا لھم عنھا مثبطا وان اتوا بالمعصیۃ وشاء ان یمن علیھم فیحول بینھم وبینھا فعل وان لم یفعل فلیس ھو عملھم علیھا اجبارا ولا الزمھم اکراھا ایاھا باحتجاجہ علیھم ان عرفھم ومکنھم وجعل السبیل الی اخذ ما دعاھم الیہ وترکوا ما نہی ھم عنہ وللہ الحجۃ البالغۃ والسّلام۔

یعنی بعد اسم الٰہی کے تم نے جو کچھ اپنی پریشانی اور ہماری امت کی حیرانی کے بارے میں لکھا اس پر میری رائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر،

خیر وشر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے، اور جو اللہ کی نافرمانی کو اس کے حوالہ کرتا ہے وہ فاسق وفاجر ہے یعنی تقدیر کا انکار قدریوں کا مذہب ہے اور معاصی ونافرمانی کو خدا کے سپرد کرنے کا مذہب جبریوں کا ہے۔ بلاشبہ نہ جبر سے اطاعت ہے اور نہ غلبہ سے بے فرمان وگنہ گار ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اپنے ملک میں مہمل و بیکار چھوڑتا ہے لیکن وہ ان ملکیتوں کا مالک ہے جو بندوں کے اختیار میں ہیں اور وہ ان اقدار وطاعت پر قادر ہے جو ان کے تصرف میں ہیں۔ اگر وہ طاعت بجالانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس سے باز نہیں رکھتا اور نہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کا بھوکا ہے اگر وہ اس کی معصیت ونافرمانی کرنا چاہیں اور خدا کی مشیت یہ ہو کہ ان پر احسان فرمائے تو ان کے درمیان کوئی فعل کر دیتا ہے اب اگر وہ ارتکاب معاصی کریں تو یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے انہیں مجبور کر دیا تھا اور نہ جبر سے وہ فعل ان کے درمیان لازم کیا۔ یہ ان پر دلیل وحجت کے طور پر ہے۔ اگر وہ جانیں۔ لیکن اللہ نے ان کے لئے راہِ ہدایت بنا دی ہے تاکہ وہ امر معروف کریں اور منہی عنہ یعنی بدیوں سے بچیں یہ اللہ تعالےٰ ہی کی حجت بالغہ ہے۔ والسلام

اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو اللہ تعالےٰ نے جس قدر توفیق مرحمت فرمائی بندہ عمل میں اسی قدر مختار ہے۔ ہمارا دین جبر وقدر کے درمیان ہے۔ اگرچہ اس خط کے بیان سے صرف ایک ہی کلمہ ہمارا مقصود تھا۔ لیکن ہم نے پورے خط کو بیان کر دیا تاکہ کلام عمدہ اور فصیح ہو جائے۔ اور یہ جملہ اس لئے لایا ہوں کہ اندازہ ہو جائے کہ حضرت امام حسن بن علی مرتضیٰ علیہ السلام علم حقائق و اصول میں اتنی مہارت وکمال رکھتے تھے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ باوجود اشارات میں کمالِ مبالغہ کے ان کے مقابل علم میں دسواں حصہ تھے۔

جو بندہ خدا کے حضور بندگی و تواضع سے سر جھکاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے دونوں جہان میں سربلند رکھتا ہے۔ اگر ہم اسی طرح تمام اہل بیت اطہار کا تذکرہ کریں اور ان کے مناقب و فضائل گنوائیں۔

تو یہ کتاب اسکی متحمل نہیں بن سکتی۔ اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اتنا بھی اس قوم کی ہدایت کیلئے کافی ہے جسے عقل و ادراک ہے خواہ وہ مریدوں میں سے ہو یا منکروں میں سے۔

قصیدہ مدحیہ در شانِ سیّدنا امام زین العابدین علیہ السلام

ھٰذا الذی تعرف البطحاء وطأتہٗ — والبیت یعرفہ والحل والحرم

وہ شخص ہے جس نے نشان قدم بطحا والے جانتے ہیں۔ اور خانہ کعبہ حل و حرم اسے جانتے ہیں

ھٰذا ابن خیر عباد اللہ کلھم — ھٰذا التقی النقی الطاھر العلم

یہ شخص اللہ کے سارے بندوں میں سب سے بہتر کا فرزند ہے۔ یہ پرہیزگار پاکیزہ نیکی میں مشہور شخص ہے۔

ھٰذا ابن فاطمۃ الزھراء ان کنت جاھلہ — بجدہٖ انبیاء اللہ قد ختم

یہ نسبت رسول فاطمۃ الزہراء کے فرزند کا فرزند ہے اگر تم ناواقف ہو۔ ان کے نانا پر اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت ختم فرمایا۔

ینشق نور الدجیٰ عن نور طلعتہ — کالشمس ینجاب عن اشراقھا الظلم

انکی منور پیشانی سے نور ہدایت اسی طرح جلوہ فگن ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی تاریکیاں جاتی رہتی ہیں

یغضی حیاءً و یغضی من مھابتہ — فما یکلم الا حین یبتسم

یہ اپنی آنکھیں تو حیا سے نیچی رکھتا ہے لوگوں کی آنکھیں ہیبت سے نیچی ہیں۔ اسی لیے رعب و دبدبہ ہٹانے کیلئے ہنس کر کلام کرتا ہے

اذا راتہٗ قریشٌ قال قائلھا — الی مکارم ھٰذا ینتھی الکرم

جب کوئی قریشی نہیں دیکھتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ۔ ان کی بزرگیوں پر تمام بزرگیاں ختم ہیں

ینمی الی ذروۃ العز التی قصرت — عن نیلھا عرب الاسلام والعجم

عزت و منزلت کی ایسی بلندی پر فائز ہے جہاں۔ عرب و عجم کے مسلمان ان سے فخر نسبت پاتے ہیں

۱۔ کشف المحجوب داتا گنج بخش۔

هم الغیوث اذا ما ازمۃ ازمت   والأسدُ اسد الشری والناس محتدم

قحط سال کے وقت یہ بارش ہیں   یہ شیر، شیر ببر ہیں یہ لوگ جلنے والے

من معشر حبھم دین وبغضھم   کفر وقربھم منجا ومعتصم

یہ اس زمرہ سے ہیں جن سے محبت دین ہے اور ان سے عداوت کفر ہے اور ان کا قرب باعث نجات اور جائے پناہ ہے۔

ان عدّ اھل التقیٰ کانوا ائمتھم   وقیل من خیر اھل الارض قیل ھم

اگر پرہیزگاروں کا شمار کیا جائے تو یہ سب کے   امام ہیں اگر اہل زمین سے اچھے لوگ شمار کئے جائیں تو یہی کہا جائیگا کہ یہی ہیں۔

سیّان ذالک ان اثروا وان عدموا   لا ینقص العسر بسطا من اکفھم

ان کے نزدیک تونگری اور مفلسی دونوں برابر ہیں   ان کے ہاتھوں کی فراخی کو تنگدستی کم نہیں کرتی

اللہ فضّلہٗ کرمًا وشرفہ   جری بذٰلک لہ فی اللوح والقلم

اللہ نے انہیں شرافت ومنزلت سے فضیلت دی   یہی حکم فضیلت لوح وقلم میں بھی جاری ہوا

مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم   فی کل بدوٍ مختومٌ بہ الکلم

ذکر الٰہی کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے   ہر میدان میں انہی کا کلمہ بول رہا ہے۔

ای القبائل لیست فی رقابھم   لاوّلیتہ ھٰذا اولہ نعم

وہ کون سا قبیلہ ہے جن کی گردنوں پر   ان کے اور ان کے اجداد کے احسان نہیں ہیں

من جدّہٗ دان فضل الانبیاء لہٗ   وفضل امتہ وانت لہ الامم

ان کے نانا کی فضیلت سب نبیوں کی فضیلتوں سے زیادہ ہے ان کی فضیلت سب اُمتوں سے زیادہ ہے

یکاد یمسکہ عرفان راحتہ   رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم

جب حجر اسود کے بوسہ کیلئے قریب ہوں تو اُن کی اُمنگوں کی راحت کی معرفت سے رُکن حطیم بند ہو جائے۔

فی کفہ خیزران ریحہ عبق   من کیف اروع من عرنینہ شمم

انکے ہاتھ میں ہاتھ چھڑی ہے جس کی خوشبو دل نواز ہے انکی ہتھیلی کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے

سهل الخليقة لا يخفى بوادره — يزينه اثنان حسن الخلق والشيم

نرم اخلاق والے ہیں اچانک غصہ کا ان سے ڈر نہیں یہ اپنی دو خوبیوں حسن اخلاق اور عادت سے مزین ہیں۔

مشتقة عن رسول الله بنعته — طابت عناصره والخيم والشيم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سے انکی فضیلت نکلی ہے ان کے عناصر اور خوشبو پاکیزہ ہے

فليس قولك من هذا بضائره — العرب تعرف من انكرت والعجم

اے ہشام تیرا انکار انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا انہیں تو عرب وعجم سب پہنچانتا ہے۔

كلتا يديه غياث عم نفعهما — تستوكفان ولا يعرهما العدم

ان کے دونوں ہاتھ فریاد رس ہیں ان کا نفع عام ہے یہ ہاتھ خوب بخشش کرنے کے باوجود خالی نہیں ہوتے۔

عم البرية بالاحسان فانقشعت — عنها الغيابة والاملاق والظلم

مخلوق خدا پر ان کا احسان عام ہے جس سے گمراہی تنگدستی اور ظلم پراگندہ ہو کر رہ گئے

لا يستطيع جواد بعد غايتهم — ولا يدانيهم قوم وان كرم

کوئی بخشش کرنیوالا انکی بخشش کی حد سے بڑھ نہیں سکتا۔ اور کوئی قوم انکی ہمسفر نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ کتنی ہی بزرگ ہو۔

حضرت داتا گنج بخش حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں اور اہلبیت کے لئے گریہ کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

آپ یہ دُعا مانگتے اور تمام رات روتے رہتے چنانچہ ایک رات میں نے عرض کیا اے میرے اور میرے ماں باپ کے سردار، آپ کب تک یونہی گریہ زاری اور سینہ فگاری کرتے رہیں گے؟ آپ نے فرمایا اے دوست سیدنا یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسف (علیہ السلام) گم ہوا تھا تو وہ اتنے روئے تھے کہ آنکھوں

کی بصارت چلی گئی اور آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور میرے تو اٹھارہ نفوس مع اپنے والد ماجد یعنی سیّدنا امام حسین اور دیگر شہیدان کربلا (رحمہم اللہ) گم ہو چکے ہیں یہ اس سے کم نہیں ہے اب میں ان کے فراق میں آنکھیں سفید نہ کروں

ان ہی اہلبیت علیہ السلام اطہار میں سے، یوسف سنّت، جمال طریقت معبر معرفت مزیّن صفوف سیّدنا ابو محمد امام جعفر صادق بن محمد الباقر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ آپ کا حال بلند سیرت پاکیزہ، ظاہر آراستہ اور باطن و خصلت میں منوّر تھے آپ کے اشارات تمام میں مشہور و خوب تر ہیں اور مشائخ عظام رحمہم اللہ میں لطائف کلام اور معانی کی واقفیت میں معروف ہیں۔

حکمتِ امامِ اقبالؒ

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

او پذیرائے دمِ تعلیم نیست
لاجرم مرنطق را تسلیم نیست
آنکہ بے تعلیم بُد ناطق خداست
کہ صفات او ز علتہا جداست
یا چوں آدم کرد تعلیم اش خدا
بے حجاب مادر و دایہ ورا
یا مسیحا کہ بتعلیم ودود
در ولادت ناطق آمد در وجود

مولوی معنوی فرماتے ہیں جو شخص تعلیم کو قبول نہیں کرسکتا ایسا شخص گونگا ہوتا ہے اور اس کی قوت گویائی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان حیوان ناطق ہے۔ اور بغیر تعلیم کے صرف خدا ہی کا وجود ہے۔ کیونکہ اس کی جملہ

صفات علل و اسباب سے مبرّا ہیں۔ یعنی بغیر معلم کے عالم ہونے کا اطلاق صرف ذات خداوند پر ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی صفات ذاتی ہیں اور کسی علت کی معلول نہیں ہیں۔ یا وہ آدم جن کو خدا نے تعلیم دی جس پر دایہ اور ماں کا پردہ بھی نہ تھا۔ یا حضرت عیسٰی علیہ السلام جو خدا کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہی باتیں کرنے لگے۔

دراصل تعلیم نفس ناطقہ کی تربیت کرتی ہے۔ یعنی تعلیم ایک ایسی متحرک قوت کا نام ہے جو کردار کے ان تمام عوامل اور خصوصیات کو مجتمع کرتا ہے جس سے فرد معاشرے میں بہتر مطابقت حاصل کرتا ہے۔ اور جس کے ذریعے ہماری عزیز معاشرتی اقدار رسم و رواج روایات اور دیگر معاشرتی خصوصیات ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی ہیں یعنی تعلیم دراصل ایک ایسی شے ہے جو فرد کی لیاقتوں، صلاحیتوں اور کردار کو مثبت سمت میں ترقی دیتی ہے اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ تعلیم انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے کا واحد ذریعہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں مختلف زاویوں سے فلسفہ تعلیم کو اہمیت دی ہے۔

علامہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وہی طریقہ تعلیم کامل ہوگا جو نفس ناطقہ کے تمام قوائے کے لئے یکساں ورزش کا سامان مہیا کرے۔ ادراک۔ تخیّل۔ تاثر۔ غرضیکہ نفس ناطقہ کی ہر قوت تحریک میں آنی چاہئے کیونکہ کامل طریق تعلیم کا منشاء یہ ہے کہ نفس ناطقہ کی پوری پوشیدہ قوتیں کمال پذیر ہوں نہ کہ بہت سی علمی باتیں دماغ میں جمع ہو جائیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک کی روشنی میں مولانا رومؒ اور علامہؒ کا فلسفہ تعلیم کیا ہے۔ قرآن پاک میں ابتدا تعلیم سے شروع ہوئی ہے جہاں فاران کی چوٹیوں

سے اقرار کی آواز گونجتی ہے۔ اسی لئے علامہ فرماتے ہیں :-

عالم از ما صاحب تکبیر شد
از گل ما کعبہ ہا تعمیر شد

حرفِ اقرارِ حق بما تعلیم کرد
رزق خویش از دست ما تقسیم کرد

میرے فکری دوست محمد فاروق جوبش صاحب جن کی بدولت اقبالیات میں فلسفہ تعلیم کے حوالے سے مکمل اور جامع کتاب "اقبال اور تعلیم" کا اضافہ ہوا ہے۔ جوبش صاحب فرماتے ہیں۔

اقبال تعلیم کے ذریعے ایک ایسے تمدن کو معرض وجود میں لانے کے داعی ہیں جو انفرادیت کے وجود و ارتقار کے لئے ناگزیر ہے۔ انکے نزدیک ایسے تمدن کی تخلیق اسلام کا مرکز بنائے بغیر ممکن نہیں۔ تمدنی زندگی تعمیر شخصیت کا نام ہے۔

اقبال کا نظریہ تعلیم اسلامی اصولوں پر استوار ہے اور اسلامی تعلیم میں روحانی، دماغی اور جسمانی نشو ونما کی ہم آہنگی پر زور دیا گیا ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان شخصیت کی حنا بندی میں اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکے ہیں۔ جس منطقی نتیجے کے طور پر مادیت کے حصول اور ترک روحانیت نے انہیں قعرِ مذلت میں دھکیل دیا ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیم اور جوہر علوم میں مطابقت پیدا کی جائے کیونکہ جوانانِ ملت میں اسلامی روح پیدا کرنے کے لئے جوہر

تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔

موجودہ طریقہ تعلیم مسلمانوں کی قومی و تاریخی زندگی سے قطعی مطابقت نہیں رکھتا، وہ حوصلہ، جوش، ولولہ اور بلند پروازی پیدا نہیں کرتا جو اسلامی تاریخ اور تعلیمات کا طرۂ امتیاز ہے۔

محمد فاروق جویش صاحب ملکی نظام تعلیم کو مکمل طور پر فکر اقبال کی روشنی میں ڈھالنا چاہتے ہیں جو عین اسلام ہے۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جویش وہ واحد فرد ہے۔ جو اپنی پوری زندگی کو فلسفہ تعلیم کی خدمت کے لئے وقف کر دینا چاہتا ہے تاکہ ملک میں صحیح نظام تعلیم جو اقبال کے تعلیمی افکار کے عین مطابق ہو نافذ ہو سکے، اس کی یہ کاوشیں واقعی قابل داد ہیں۔

تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ مسلمانوں کے لئے واحد معلم اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے دعا فرماتے ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ
إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ:۔ اے رب ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا عزیز و حکیم ہے۔

یعنی صاحب حکمت ہو، صاحب تطہیر ہو، نفوس کی پاکیزگی کا باعث بنے، ہم انسان کامل کے مضمون میں اس پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

تعلیم میں بنیادی حیثیت معلم اور مدرسہ اور طریقہ تعلیم کو حاصل ہے۔

مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں صحبت شیخ اور معلم۔ تربیت نفس۔ تعمیر آدمیت شعور ذات، علم باطن وظاہر، عزت نفس، توکل وقناعت وعجز، پیام بلند ہمتی۔ شکوہ جلال، فلسفہ سخت کوشی۔ نفی شکم پرستی۔ آزادی قلب کی نہایت عارفانہ تشریح فرماتے ہیں۔ دراصل علامہ انہی موضوعات کی تشریح اور توضیح اپنے کلام میں کرتے ہیں۔

یہ تمام لوازمات فلسفہ تعلیم کی بنیادیں ہیں۔ مولانا معنویؒ علم اور احترام معلم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

گرچہ حکمت را بتکرار آوری
چوں تو نا اہلی شود از تو بری

ورنہ خوانی و یہ بینی سوز تو
علم باشد مرغ دست آموز تو

قطرہ دانش کہ بخشید ز پیش
متصل گرداں بدریاہائے خویش

قطرہ علم ست اندر جان من
وارہانش از ہوا وز خاک تن

اے برادر عقل یک دم با خود آر

دمبدم تو خزان ست و بہار

اے برادر یک دم از خود دور شو

با خود او غرق بحر نور شو

مولوی معنوی فرماتے ہیں کہ حکمت کے اہل بنو اور حکمت کو حاصل کرو اور علم اور اپنے وجود کے درمیان ایسا رابطہ پیدا کرلو کہ تم علم کو پالتو مرغ بنالو کہ وہ تمہارے اشارے پر چلے۔

اے بھائی ذرا عقل کو حاضر کرو تو دیکھو گے کہ تمہارے وجود کے اندر خزاں و بہار پوشیدہ ہے۔ ذرا ہوش میں آؤ اور علم کے دریا نورانی میں اپنے وجود کو فنا کرلو کیونکہ تمہاری روح میں اگر ایک قطرہ علم بھی موجود ہے وہ تمہیں ہوائے نفس اور خاک جسم سے بچالے گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اے خدا جو علم کا قطرہ تو نے مجھے دیا ہے اس کو اپنے علم کے دریاؤں سے متصل کردے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

دیدن دانا عبادت ایں بود

فتح ابواب سعادت ایں بود

صد سوال و صد جواب اندر دلت

میر صد از لامکاں تا منزلت

داناو صاحب علم کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔ اس سے علم کے در بیچے کھلنے لگتے ہیں۔

اے معلم جب تو حقیقی علم کی تلاش میں نکلتا ہے۔ تیرے دل سے سیکڑوں سوال و جواب لامکاں سے تیرے مقام تک پہنچتے ہیں۔

جس طرح علامہ اقبالؒ نے خواتین کی تعلیم پر زور دیا ہے، اسی طرح مولانا رومؒ نے فرمایا:۔

گفت پیغمبر کہ بر زن بر عاقلاں
غالب آید سخت بر صاحبدلاں

باز بر زن جاہلاں غالب شوند
زانکہ ایشاں تند و بس خیرہ روند

مولوی معنوی فرماتے ہیں:۔

صاحب عارف اور صاحب علم لوگوں پر ہمیشہ عورت غالب رہتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جاہل آدمی عورت پر غالب رہتا ہے۔

دراصل تمام علوم اور کردار کا مرکز عورت ہے، عورت دراصل ام الکتاب ہے اور جو لوگ مقام عورت سے ناواقف ہیں وہ لوگ تباہی کے دروازے پر آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔

اسی لئے علامہ نے اپنے کلام میں جگہ جگہ مقام عورت کی وضاحت کی ہے۔ اور مردوں سے زیادہ عورتوں کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ کیونکہ ماؤں

ناہی تربیت سے صحیح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے اس لیئے علامہ نے خواتین کا رکن سیدۃ النسا حضرت فاطمہؓ کو قرار دیا ہے اس لیئے فرماتے ہیں کہ :۔

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہراؓ مبند
تا حسینؓ شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد
اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرؓ بگیری

علامہ اقبالؒ خواتین کی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :۔

ا ۔ عورت کا اصل مقام آئندہ نسل کی تربیت ہے ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطری کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوسناک کوشش بھی ۔

ب ۔ عورت ایک بہت ہی عظیم ذریعہ تخلیق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی تخلیقی قوتیں مستور و محجوب ہیں ۔

د۔ عمومیات کو چھوڑ کر اگر خصوصیات پر نظر کی جائے تو عورتوں کی تعلیم سب سے زیادہ توجہ کی محتاج ہے، عورت حقیقت میں تمام تمدن کی جڑ ہے ...... پس ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ تمدن کی جڑ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں اور اپنی قوم کی عورتوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں مرد کی تعلیم صرف ایک فرد واحدہ کی تعلیم ہے مگر عورت کو تعلیم دینا حقیقت میں تمام خاندان کو تعلیم دینا ہے۔

ج۔ اپنی قوم کی خاص نوعیت، اسلام کی تعلیم اور عالم نسواں کے متعلق علم الاعضار وعلم الحیات کے اکتشافات کو مدّنظر رکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمان عورت کو جماعتِ اسلامی میں بدستور اسی حد کے اندر رہنا چاہیئے جو اسلام نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے اور جو حد کہ اس کے لئے مقرر کی گئی ہے اسی کے لحاظ سے اس کی تعلیم ہونی چاہیئے ...... چونکہ عورت کے دل و دماغ کو مذہبی تخیل کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے لہذا قومی ہستی کی مسلسل بقار کے لئے یہ بات نہایت ہی ضروری ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو ابتدار میں ٹھیٹھ مذہبی تعلیم دیں۔ جب وہ مذہبی تعلیم سے فارغ ہو چکیں تو ان کو اسلامی تاریخ۔ علم تدبیر، خانہ داری اور علم اصولِ حفظِ صحت پڑھایا جائے اس سے اُن کی دماغی قابلتیں اس حد تک نشو ونما پا جائیں گی کہ وہ اپنے شوہروں سے تبادلہ خیالات کر سکیں گی۔ اور امومت کے وہ فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں گی۔ جو میری رائے میں عورت کے فرائض اوّلیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سب سے زیادہ تحفظ خواتین کو فراہم کیا ہے۔
اگر اسلام سے خواتین کے کردار کو نکال دیا جائے تو اسلام میں کچھ نہیں رہ جاتا۔
حضرت خدیجہؓ کی دولت و سرمایہ سے اسلام پھیلنے میں کافی مدد ملی۔ اگر ہم
تاریخ کا مکمل طور پر جائزہ لیں تو اسلام کی قیادت ہمیشہ عورت نے کی ہے
اگر علمی میدان میں دیکھیں اگر حضرت عائشہؓ سے منسوب احادیث نکال دیں
تو ۷۵٪ فیصد اسلام ہم نہیں سمجھ سکتے ، اسی حضرت فاطمہؓ کا کردار و عمل ان
کی تربیت اگر نہ ہوتی اور حضرت زینب اگر دربار یزید میں مسلمانوں کی قیادت
نہ کرتیں تو اسلام کا قائم رہنا ہی محال تھا اسی لئے کلام مجید میں سورۃ النساء،
سورۃ نور، سورۃ احزاب میں خواتین کی عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے لیکن
افسوس جاہل مولویوں نے عورت کو ناقص عقل اور اپنے آپ کو خود ساختہ
مجازی خدا قرار دے رکھا ہے۔

اسی لئے علامہ فرماتے ہیں کہ :۔

کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اسی عقدۂ مشکل کی کشود

ا۔ ڈاکٹر اقبال۔ قومی زندگی اور ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر ۵۴ء)
ب۔ (اخبار پوسٹ لنڈن) در (روزگار فقیر ص ۱۹۴)
ج۔ (قومی زندگی اور ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر۔ ص ۱۰۲-۱۰۱)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ :۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ اس کائنات میں نبوت، امامت و ولایت کی تربیت عورت نے کی ہے۔ اور معاشرتی تعلیم کا بنیادی مرکز عورت ہے۔ علامہ اقبال نے ہر زاویہ نگاہ سے فلسفہ تعلیم کی تشریح و توضیح فرمائی ہے۔

ایک اور جگہ علامہ فرماتے ہیں کہ :۔

تب و تابے کہ باشد جاودانہ
سمندِ زندگی را تازیانہ
بہ فرزنداں بیاموز ایں تب و تاب
کتاب و مکتب افسون و فسانہ

ز علمِ چارہ سازے بے گدازے
بسے خوشتر نگاہ پاک بازے

نکو تر از نگاہ پاک بازے
دلے از ہر دو عالم بے نیازے

دراصل یہی علامہ کا حقیقی پیغام تھا معاشرے کے لیئے ہم آخر میں علامہ کی ہی زبانی ان کا پیغام معاشرے کو دینا چاہتے ہیں اور اپنے ارباب اختیار سے اپیل کرتے ہیں کہ فکر اقبال کے ساتھ مزاق بند کیجیئے۔ اس کو ٹی وی و ریڈیو کے چند اشعار تک محدود کرنے کے بجائے اس کی فکر کو صحیح طریقے سے عام کیجیئے کیونکہ ہمارا معاشرہ علامہ کے افکار کو سمجھ نہیں سکا تو یہ علامہ کی نہیں بلکہ اس معاشرے کی بدنصیبی ہے۔

علامہ کی کچھ باتیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ عشق یا وجدان ہی ایک ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت موجودات کے تمام اسرار کا انکشاف ہوسکتا ہے۔

۲۔ "عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا" نفی خودی کی تعلیم تھی۔ اقبال اس تعلیم کے نتائج سے بیزار تھے۔ انہوں نے افلاطون کو "گوسفندازگوسفندانِ قدیم" اس وجہ سے کہا کہ یہ سارا فساد اس تعلیم کا ہے۔ حافظ کو اس گروہ میں اس وجہ سے شامل کیا کہ اس کی تعلیم سے بھی نفی خودی کی تلقین ہوتی ہے۔ صوفیوں کے خلاف اسی وجہ سے آواز اٹھائی کہ وہ دنیا سے الگ ہوکر "مسکینی و محرومی و نومیدی جاوید" کی تعلیم دیتے تھے۔ شعراء کو اس لیئے آگاہ کیا ان کی نوا "مردہ و افسردہ و بے ذوق" تھی۔ رومی کی طرف اس لیئے کہ وہ بجائے عقل کے عشق پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اثبات خودی کا بہت بڑا حامی ہے

نیٹشے کے قلب کو اسی وجہ سے مومن کہا ہے کہ وہ تعمیر خودی اور طاقت و کشمکش کا قائل ہے۔

۳۔ کاش انسان اس راز سے آگاہ ہو جائے کہ اس کو وہ کچھ عطا ہوا ہے جو شمس و قمر کو بھی نہیں، یعنی شعور (CONSCIOUSNESS) اور شخصیت۔

۴۔ علم کی ابتدا محسوسات سے ہوتی ہے۔ علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار و مدار حواس پر ہے عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ یہ علم، علم حق کی ابتدا ہے جیسا کہ میں نے جاوید نامہ میں لکھا ہے ؎

علم حق اول حواس آخر حضور
آخر او می نگنجد در شعور

۵۔ قرآن کو اس زاویہ نگاہ سے مت پڑھو کہ تمہیں فلسفے کے مسائل سمجھائے گا اسے اس زاویہ نگاہ سے پڑھو کہ اللہ تعالیٰ سے میرا کیا رشتہ ہے اور کائنات میں میرا کیا مقام ہے۔

۶۔ اسلام انسانی شخصیت کے تین پہلوؤں کی یکساں تربیت اور آبیاری کرتا ہے (جو یہ ہیں) ۱۔ شعور۔ ۲۔ جذبہ۔ ۳۔ ارادہ۔

۷۔ اصلاحِ تمدن کے بعد ہماری دوسری ضرورت تعلیم عام ہے۔ مسلمانوں نے بالعموم یہ سمجھا ہے کہ تعلیم کا منشاء و مقصد زیادہ تر دماغی تربیت ہے اور جو تعلیمی کام آج تک ہمارے اہل الرائے نے کیا ہے اس کی بنا اسی خیال پر رہی ہے مگر میں نے جہاں تک اس مسئلے پر غور و فکر کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم کا اصل مقصد تو جوانوں میں ایک ایسی قابلیت کا پیدا کرنا ہے۔ جس سے ان میں باحسن وجوہ اپنے تمدنی فرائض کے ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے میری مراد یہ نہیں کہ جو دماغ قدرتی طور پر علمی تحقیقات کی اصلی صورتوں کی طرف میلان رکھتے ہیں ان کی نمود کو روک دیا جائے بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ مجموعی حیثیت میں قومی تعلیم کی بنیادی ضرورتوں پر ہونی چاہیئے جو انقلاب حالات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہوں۔

(علامہ اقبال۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر۔۵۲)

۸۔ جب تک اس نام نہاد جمہوریت۔ اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو نہ مٹایا جائے گا۔ جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کے اصول کا قائل نہ ہو گا۔ جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کے امتیازات کو نہ مٹایا جائیگا۔ اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کر سکیں گے اور اخوت، حریت۔ اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندہ معنی نہ ہوں گے۔

(پانچواں خطبہ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ)

۹۔ موجودہ زمانہ کے واعظوں کو تاریخ۔ اقتصادیات۔ عمرانیات کے

حقائق عظیمہ سے آشنا ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے لٹریچر اور تخیل میں دسترس رکھنی چاہیئے۔

۱۰۔ کسی طریقہ تعلیم کو قطعی اور آخری نہیں کہا جا سکتا۔ ہر ملک کی تعلیمی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں جہاں تک مسلمانوں اور مسلمان ملکوں کا تعلق ہے خالص دنیوی تعلیم سے اچھے نتائج پیدا نہیں ہوئے۔

(مخزن جنوری ۱۹۰۲ء)

۱۱۔ مجھے رہ رہ کر یہ رنج دہ تجربہ ہوا ہے کہ مسلمان طالب علم جو اپنی قوم کے عمرانی۔ اخلاقی۔ اور سیاسی تصورات سے نابلد ہیں۔ روحانی طور پر بمنزلہ ایک بے جان لاش کے ہیں۔

۱۲۔ میری آرزو ہے کہ میں اپنے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں پر دین کے اسرار منکشف کر جاؤں تاکہ وہ دین کے قریب آجائیں۔

۱۳۔ مذہبی زندگی کی تقسیم تین ادوار میں ہوتی ہے۔ ایمان۔ فکر۔ عرفان حقیقت۔

۱۴۔ انسان کا انجام کچھ بھی ہو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنی انفرادیت کھو دے یہ انفرادیت بہر حال قائم رہنی چاہیئے۔ اور اس کی حفاظت صرف خودی سے ہو سکتی ہے۔

۱۵۔ زندگی اپنے ماحول میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اُس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ (دیباچہ پیامِ مشرق)

۱۶۔ انسان کی بقاء کا راز انسانیت کے احترام میں ہے اور جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہیں کر لیتیں یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی۔

۱۷۔ سیرت و کردار کی عملی تربیت کے لئے اخلاقی مضامین کا انتخاب بھی ضروری ہے اسلوب بیاں ایسا ہونا چاہیئے جو طلبہ کو کمزور و بزدل بنانے کی بجائے نیک اور بہادر بنائے اس امر کا لحاظ تو بالخصوص رکھا جانا چاہیئے کہ طلبا کے دلوں میں اخلاقِ حسنہ اور علم و ادب کی تحصیل کے ساتھ ساتھ دین و وطن کی محبّت کا جذبہ بھی موجزن ہو۔

(اقبال نمبر مجلہ برگِ گل اردو کالج کراچی)

۱۸۔ قرآن و حدیث اور دیگر علوم جدیدہ کے ساتھ ساتھ تاریخ قوموں کا ماضی سے رشتہ جوڑتی ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں قوموں کا عروج و زوال صاف نظر آتا ہے۔ تاریخ ایک طرح کا ضخیم گراموفون ہے جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔

(شذراتِ فکر اقبال ۱۴۰)

۱۹ - معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں۔ سب محنتوں سے اعلیٰ درجہ کی محنت اور سب کارگزاریوں سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری معلم کی کارگزاری ہے۔ معلموں ہی سے علم کا سچا عشق پیدا ہوتا ہے اسی میں تمدنی اور سیاسی برتری مخفی ہے جس سے قومیں معراج کمال تک پہنچ سکتی ہیں۔

---

۲۰ - ادارۂ دینیات کو چاہیے کہ دینیات کی ایک پروفیسرشپ قائم کرے جس پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصور کا مطالعہ کیا ہو تاکہ وہ مسلم دینیات کو افکارِ جدیدہ کا ہمدوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات (جس کا ماخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا کے تار و پود بکھر چکے ہیں) اب وقت آ گیا کہ اس کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ترکی کو چاہیے کہ جس طور پر وہ امور معاملات میں پیش قدمی کر رہا ہے اس معاملہ میں بھی پیش قدمی کرے، یورپ نے عقل اور الہام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے۔ وہ اپنے دینیات کو موجودہ فلسفہ کی روشنی میں از سرِ نو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے، اسلام جو عیسائیت سے کہیں زیادہ سادہ اور عقلی مذہب ہے اس شعبہ میں کیوں بے حس و حرکت ہے۔

---

۲۱ - میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میرا میلان قدیم کی طرف ہے۔

(سید سلیمان ندوی کے نام)

"یہ مقالہ بین الاقوامی یوتھ کانگریس میں پڑھا گیا"

"تشکیل جدید میں تعلیم بطور عالمی امن"

یہ کائنات کوئی جامد شے نہیں بلکہ ارتقاء پزیر ہے۔ جدید دور میں انسان نے مادی علوم پر مکمل طور پر دسترس حاصل کر لی ہے اور آج اس کی فکر و ایجادات نقطہ عروج پر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دنیا انتشار میں گھری ہوئی ہے۔ اور ہر طرف معاشرتی بے چینی اور باہمی انتشار موجود ہے۔

ہر شخص حیات و کائنات کے بارے میں اپنا ایک خاص نقطہ نظر رکھتا ہے جو اس کی ذات، ماحول، شعوری اور لاشعوری اعمال پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ نقطہ نظر عقل عامہ کا ذاتی فلسفہ کہلاتا ہے۔ جس کی روشنی میں مقصد زندگی کا تعین کیا جاتا ہے۔ زندگی قوت متحرکہ ہے اور تعلیم بھی ایک حرکیاتی عمل ہے اس لئے تعلیم زندگی کے لئے لزوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ تصور کائنات، تصور زندگی اور فلسفہ زندگی کی اصطلاحات کو سمجھتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تعلیم کس طرح معنی و مدعا آشنا کرتی ہے۔ ارسطو سے لیکر دور جدید کے فلاسفہ تک اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم کا مقصد خوابیدہ صلاحیتوں کو جاگر

کرنا ہے۔ میرے نزدیک تعلیم انسان کی قوت ناطقہ کی تربیت کرنے کا نام ہے اگر اس کی تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو تین بنیادی وظائف سامنے آتے ہیں۔

۱۔ فرد کو تعقلی طور پر متوازن شخصیت بنایا۔
۲۔ فرد کو معاشرتی مطابقت کے لئے تیار کرنا۔
۳۔ فرد کو اپنی ذات میں باوسیلہ بنانا۔

ہمیں اپنے مختصر سے وقت میں یہ دیکھنا ہے کہ تعلیم کے ذریعے عالمی امن کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ اور اس عمل میں نوجوان کا کیا کردار ہونا چاہیئے۔ جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم کوئی خارجی مقصد نہیں وہ خود ہی راہ اور خود ہی منزل ہے۔ تعلیم دراصل ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے انسان میں علمی، اخلاقی، معاشرتی نشو ونما کی قوت زیادہ ہو جاتی ہے جس سے اس کی مجموعی شخصیت میں ارتقاء برابر جاری ہے۔ یعنی انسان اس بات سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ اس کو وہ کچھ عطا ہوا ہے جو شمس و قمر کو بھی نہیں۔ یعنی شعور اور شخصیت کیونکہ زندگی اپنے ماحول میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو۔ اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو اسی لئے انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے۔ اور جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہیں کر لیتی یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی۔

مشہور فلسفی اور مفکر سر ڈاکٹر محمد اقبال کے تعلیمی تصورات تعلیم کے انفرادی اور اجتماعی مقاصد پر محیط ہیں ان کے نزدیک تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کو احترام آدمیت اور تکریم انسانیت کا درس دے یہی تعلیم کا نقطہ آغاز ہے اور یہی اس کا حرف آخر۔ اقبال فرد اور جماعت، قدامت اور جدت داخل اور خارج دنیا نفس و آفاق، روح و مادہ اور روحانی مادی علم کو اکائی کی صورت میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ فرد اور جماعت کے باہمی مفادات اور تقاضوں میں کوئی تضاد اور مغایرت پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک دوسرے کے دست و بازو بن جاتے ہیں کیونکہ زندگی کے جس شعبہ میں تقلید کا عنصر نمایاں ہوگا اسمیں حرکت مفقود ہو جائے گی۔

علم عمرانیات کے حوالے سے جب ہم فلسفہ تعلیم کا جائزہ لیتے ہیں تو اسے ہم عمرانی فلسفہ تعلیم کی اصطلاح دیتے ہیں کیونکہ مسائل تعلیم کا تعلق فلسفہ اور عمرانیات دونوں سے ہے۔ یعنی تعلیمی مسائل پر فلسفیانہ نظریات کے اطلاق سے فلسفہ تعلیم وجود میں آتا ہے اسی عمرانی مسائل پر فلسفیانہ تصورات کے اطلاق سے عمرانی فلسفہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی معاشرے کی تمام وجودی قدروں کا تعین عمرانی فلسفہ ہی کرتا ہے۔ جسے تعلیم دوام بخشتی ہے۔ بیسویں صدی عیسوی سے بیشتر تعلیم کے سلسلے میں مختلف نقاط نظر سے جس قدر سوچا اور لکھا گیا وہ سب کا سب ایک ہی تصور کا حامل تھا۔ کہ تعلیم کو کس طریقے سے تربیت کے لئے کام میں لایا جائے۔ یونان کے مفکر تعلیم سے لیکر جنگ عظیم اوّل کے مفکر تعلیم تک تعلیم اور تعلم کے افکار بنے ہوئے تھے۔

جنگ عظیم اوّل کے بعد تعلیم کے افکار و نظریات میں ایک غرہ انقلاب برپا ہوا اب مفکرین کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی کہ تعلیم کا مدعا کیا ہے۔ اس کی اساس کیا ہے۔ اس کے عوامل ترکیبی کیا ہے۔ علم سے تعلیم کا کیا تعلق ہے فطرت انسانی کے تجریدی عوامل کیا ہیں۔ تعلیم کا تجریدی سوال کیا ہے۔ تعلیم کیوں، کس لئے، کب اور کیسے ہونی چاہیئے۔ ان تمام سوالات کو ڈاکٹر جان ڈیوی نے اٹھایا ہے اس کا نقطہ نگاہ تعلیم کی واقفیت اور واجدیت کے متعلق فلسفیانہ جواب پہنچانا تھا۔ یعنی فرد اپنی انفرادیت کے باوجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگر مفکرین افادیت کے اقوال کے مطابق فرد کی حیثیت کو تسلیم کر بھی لیا جائے۔ تو بھی فرد اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کی انفرادیت معاشرے میں ضم نہ ہو جائے۔ اس لئے یہی اعمرانی تصور یہ ہے کہ فرد کو مطلق حیثیت ماننے کے بجائے اس کو معاشرے کے فرد کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ کہ فرد معاشرے میں فکر کا دھارا ہے انقلاب انگیز قدر کے نتیجے میں تعلیم کی چھ جہتیں قرار پائیں۔

تعلیم بحیثیت ادارہ، تعلیم بحیثیت نظام، تعلیم بحیثیت علم، تعلیم بحیثیت تکمیل شخصیت، تسخیر انفس و آفاق، تعلیم بحیثیت تکمیل معاشرہ۔

ہر معاشرہ خواہ وہ ترقی کی کسی منزل پر ہو وہ اپنا ایک تصور کائنات رکھتا ہے جس کے تحت اس کا فلسفہ حیات تشکیل پاتا ہے اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نوجوان نسل کو تمدنی اقدار کے اس پیکر میں ڈھالے جس پر اس کی گزشتہ نسل عمل پیرا رہی ہو۔

یہ کام صرف اور صرف تعلیم ہی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یعنی اخلاقی اقدار کا پاس انسانی رشتوں کا تقدس، مہر و وفا کا خیال، محبت و اخوت کا شعور، عدل و مساوات کا لحاظ اور اشتراک عمل کا جذبہ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ دنیا کے تمام نظام تعلیم امن کا باعث بن رہے ہیں یا تعلیم صرف انتشار کا باعث بن رہی ہے۔ کیا اس دور میں ہماری تعلیم بین الاقومی انسان پیدا کر سکتی ہے۔ جو امن و سلامتی کے قائد بن کر معاشرے کی اصلاح کر سکیں۔ اس لئے اگر ہمیں فلسفہ تعلیم کے ذریعے دنیا میں امن قائم کرنا ہے تو ہم کو طریقہ تعلیم بدلنا ہوگا۔ اور نظام تعلیم کو انسانی قدروں اور حقوق میں ڈھالنا ہوگا۔

اس وقت دنیا میں تین طریقہ تعلیم موجود ہیں۔ ایک وہ نظام جو انسان کو ایک سسٹم کے تحت ڈھال دینا چاہتا ہے۔ جہاں اس کی انفرادی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ روبوٹ بن جاتا ہے، دوسرا نظام جو فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارتا ہے مگر ساتھ غیر ضروری تعصبات بھی پیدا کر دیتا ہے۔ جو قومیت، ثقافت اور مذہب پر مبنی ہوتے ہیں۔ اسے ہم سرمایا دارانہ تعلیمی نظام کہتے ہیں۔ تیسری طریقہ الہیاتی نظام تعلیم ہے۔ میرے نزدیک مذہب ہم کو کوئی منضبط تعلیمی نظام نہیں دیتا۔ اس لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ طریقہ تعلیم خواہ کوئی بھی ہو قطعی اور آخری طریقہ نہیں ہو سکتا ہر دور میں تعلیمی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں اور جہاں تک الہیاتی ملکوں کا تعلق ہے تو خالص دینوی تعلیم سے اچھے نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ اسی لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جو طریقہ تعلیم انتشار کا باعث بنا ہوا ہے۔ امن

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD.)
کتابخانہ
امام خمینی

میں تبدیل ہو جائے۔ اس وقت امریکہ ۱۹۷۹ کی رپورٹ کے مطابق اپنی خام قومی پیداوار کا ۶.۴ فیصد حصہ اور کل اخراجات کا ۱۷.۰۷ فیصد حصہ تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ روس ۱۹۸۰ کی رپورٹ کے مطابق اپنی خام قومی پیداوار کا ۷.۲ فیصد حصہ اور کل اخراجات کا ۱۱.۰۲ فیصد حصہ تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ جب کہ پاکستان ۱۹۸۳ کی رپورٹ کے مطابق اپنی خام قومی پیداوار کا ۲ فیصد حصہ اور کل اخراجات کا ۵.۴ا فیصد حصہ تعلیم پر خرچ کرتا ہے یونیسکو کی پانچ سالہ رپورٹ کے مطابق دنیا کی بڑی ۱۳۱ مملکتوں میں خام قومی پیداوار کا ۴.۱۳ فیصد حصہ اور کل اخراجات کا ۱۴.۲۷ فیصد حصہ تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اتنے اخراجات کے باوجود تعلیم باعث امن کہیں نظر نہیں آتی! اس کانگریس میں جناب صدر کی اجازت سے طریقہ تعلیم کے لئے پانچ نکاتی فارمولا پیش کرتا ہوں۔ جو تعلیم کو بطور امن بنانے میں سودمند ثابت ہوگا۔

۱۔ سرمایہ دار طبقے کو معاشی اور سیاسی اقتدار سے محروم کر دیا جائے۔ کیونکہ اس کے بغیر افلاس، جہالت اور اخلاقی اور تعلیمی پستی کی لعنتیں دور نہیں ہو سکتیں۔

۲۔ خود ساختہ مذہبی اور روایتی تصورات اور تعصبات سے چھٹکارا پانا ضروری ہے جو ہماری ذہنی صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتے۔ مثلاً خیالات کو بلا سوچے سمجھے قبول کرنے کی عادت۔ اس لئے پارسائی کا مقصد اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنا اور تخلیقی توانائیوں کا تحفظ اور غیر اخلاقی برائیوں سے بچنے

MOASSESAH AL IMAM KHOMEINI TRUST (REGD)
کتابخانہ خمینی امام

کے لئے عزت نفس کو پیدا کرنا۔

۳۔ ایسا نظام تعلیم قائم کیا جائے جو انسان کو شعور ذات عطا کرتا ہو کیونکہ یہ شعور معاشرتی مطابقت پیدا کرنے میں رہنما کا کام دیتا ہے۔

۴۔ تعلیم کو بین الاقوامی سطح پر اجاگر کرنے کے کہ وہ امن کی علمبردار بن جائے۔ اس کے لئے تاریخ کی ایسی قد آور شخصیات کے پیغام کو عام کرنا ہوگا جن کی شخصیت بین الاقوامی ہو۔ جن کا پیغام معاشرتی، عمرانی اور معاشی حوالے سے پوری انسانیت کے لئے ہو۔

۵۔ ایسے معلم تیار کرنا جو طالب علموں میں حقیقی طلب علم پیدا کرسکیں۔ اور وہ اقتصادی، سیاسی اور مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوجائیں۔

عمران لیاقت حسین

تعارف

رومی واقبال درحکمتِ قرآن ایک ایسے جوان فکر ادیب کی شاہکار تخلیق ہے جس کے سینے میں درد بھرا دل اور ہاتھ میں پُرجوش قلم ہے۔ اُس کے لہجہ میں سوز بھی ہے اور ساز بھی وہ ہر لمحہ مضطرب ہے۔ حیاتِ ملّی کا تازہ باب رقم کرنے کے لئے۔ عمران لیاقت نے کم سنی میں تدوینِ کتب کی جو مہارت حاصل کی ہے وہ طویل ریاضت کے بعد بھی کم ہی نصیب ہوتی ہے۔ اُن کی پہلی تصنیف ، جیسا میں نے پڑھا، اُن کے افکار کا افشردہ وعصارا ہے جسے ادبی مستقبل کا حرفِ آغاز کہنا چاہیئے اور زیرِ نظر تصنیف رومی واقبال درحکمتِ قرآن۔ اُن کے فکر وشعور وخرد وآگہی کی غماز ہے۔

عمران لیاقت حسین ایک علمی گھرانے کے چشم وچراغ ہیں اُن کے نانا جان سردار علی صابری دیارِ صحافت کے ایسے نابغہ تھے جن کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔ میرا یہ منصب نہیں کہ کتاب کے مشتملات پر قلم اٹھاؤں یہ کام تو ناقدینِ فن کا ہے اور میں ٹھہرا، اس وادیٔ فکر وفن میں نووارد ہاں ایک دوست ہونے کے ناتے میں اُن کی شخصیت پر قلم اٹھا سکتا ہوں۔ عمران ایک ادیب بھی ہے اور خطیب بھی۔ ادب میں تخلیقی عنصر جو حیاتِ انسانی کے ارتقاء کا باعث ہے اُن کے پیشِ نظر رہتا ہے اور خطابت میں الفاظ ومعنی اُن کے سامنے دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ روانی کا عالم کچھ نہ پوچھو اِک طوفان اٹھتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ دونوں جوہر بہت کم لوگوں میں یکجا ہوتے ہیں جیسے حضرت عطاءاللہ شاہ بخاری ۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمد علی جوہر۔ حضرت حسرت موہانی۔ مولانا ظفر علی خاں اور شورش کاشمیری۔ اس صدی میں چند ہی تو ایسی ہستیاں ہیں جنھیں خدا نے قلم اور خطابت دونوں سے نوازا تھا۔ شاید اُس وقت اُن حالاتِ ناگفتہ میں ملّتِ اسلامیہ کو ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی۔ مگر آج جب میں عمران لیاقت حسین کو لاکھوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو چشمِ تخیل تاریخ کے دریچوں سے جد وجہدِ ماضی کا نظارہ کرا جاتی ہے میں دل کی گہرائیوں میں کہیں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ آنے والے دور میں قدرت عمران سے ایسا عظیم کام لینا چاہتی ہے جس کا ادراک شاید ابھی اُن کو بھی نہیں ہے۔ عمران لیاقت اردو کالج کراچی کے طالب علم ہیں مگر رسمی طور پر نہیں، حقیقی معنوں میں وہ ۱۹۸۵ء میں اور بعد ازاں ۱۹۸۶ء میں بھی کل پاکستان بین الکلیاتی مقابلوں میں ملک بھر میں بہترین مقرر قرار دیئے گئے۔ انھیں قائدِ اعظم ایوارڈ اور پیشرو ایوارڈ کا سزاوار ٹھہرایا گیا ہے مگر وہ اس سے بھی کچھ زیادہ کے مستحق ہیں۔ اگر انھوں نے جذبات کے بہاؤ پر قابو رکھا اور اسی راہِ عمل پر گامزن رہے تو اُن کے لئے ایک روشن ادبی مستقبل کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے بفقط شرط فکر وعمل میں حرکیاتی کیفیت پیدا کرنا اور اُس سے حاصل شدہ توانائیوں کو صحیح رُخ میں استعمال کرنا ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ صلاحیت عمران لیاقت کی شخصیت کا خاصہ ہے لیکن میں اُن کی کامیابی وشادمانی کے لئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں خدا انھیں ہر گام پر سرفراز فرمائے۔ آمین

کنور محمد فاروق جولیش
شعبۂ تعلیم وتحقیق وفاقی گورنمنٹ اردو کالج
کراچی